وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو۔ (سورۂ اعراف ۷: ۲۰۴)

فاتحہ خلف الامام

تالیف

شیخ القرآن و امام الحدیث

علامہ حافظ و قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

دن-۱-۷-۳۰۷، ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰،

فون :- ۶۲۱۳۳۹

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم ہو ۔ ۲۰۴، سورۃ الاعراف

فاتحہ

خلف الامام

تالیف

شیخ القرآن و امام الحدیث

علامہ حافظ و قاری حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

ناشر

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

دان-۱-سی-۲/۲، ناظم آباد۔ کراچی ۷۴۶۰۰

فون: ۶۲۱۳۳۹-

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــ فاتحہ خلف امام
مؤلف ـــــ علامہ حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی
کتابت ـــــ محبوب کریم صدیقی
طباعت ـــــ روحانی ڈائجسٹ پریس ناظم آباد
صفحات ـــــ ۹۶
قیمت کتاب ـــــ بیس روپے ۲۰/-

*

ناشر
الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)
مکان نمبر ۳ - ۷ - اے، بلاک نمبر ۱، ناظم آباد
نزد مسجد قدوسیہ، کراچی ـ ۷۴۶۰۰
فون: ۶۲۱۴۴۹

پیش لفظ

ایک عرصۂ دراز سے بہت سے حضرات کا تقاضا تھا کہ میں مسئلہ فاتحہ خلف الامام پر ایک رسالہ حسن الخطاب فی جواب فصل الخطاب تحریر کروں کیونکہ دورانِ درس اکثر غیر مقلدین حضرات مجھے اس قسم کے فروعی مسائل کے معاملہ میں بولنے پر مجبور کرتے رہتے تھے حالانکہ میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ میں خود کو ان فروعی مسائل سے ہمیشہ دور رکھوں گا، لیکن بسا اوقات غیر مقلدین ایسی ایسی الجھنیں پیدا کرتے کہ مجھے ان مسائل پر مجبور ہو کر کلام کرنا پڑتا۔ اسی کشمکش میں تقریباً چودہ پندرہ سال گذر گئے۔

اتفاق سے میرے ایک محترم دوست اور بزرگ حاجی محمد یعقوب صاحب نے "فصل الخطاب" میرے حوالہ کر کے مجھے اس کا جواب لکھنے پر اصرار کیا۔ ایک جانب ان کا اصرار تھا اور دوسری جانب مندرجہ بالا کشمکش جس نے بالآخر مجھے اس تحریر پہ مجبور کیا حالانکہ اس مسئلہ پر ہمارے علماء چودہ سو سال سے کلام کرتے چلے آئے ہیں اور ہر اعتراض کا مدلل جواب دیتے رہے ہیں اس کے باوجود اس کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ آج تک ہمارے دلائل کا کوئی جواب نہیں دے سکا۔ یہ ایک ایسا سپید جھوٹ ہے جو غیر مقلدین کی پیشانیوں پر ایک سیاہ داغ ہے۔

ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ جو طبقہ اپنے آپ کو "اہل حدیث" کہلاتا ہو وہ اتنی دروغ گوئی سے بھی کام لے سکتا ہے۔ اور اس پر مزید یہ دعویٰ کہ آج تک اس کا رد نہیں لکھا گیا۔ اس سے لوگوں کو یہ مغالطہ ہو سکتا تھا کہ واقعی ان کے

دلائل بڑے وزنی ہیں) ۔ان حالات کو پیش نظر رکھ کر میں یہ چند سطور لکھنے پر مجبور ہوا۔

فریق مخالف سے میری درخواست ہے کہ اس قسم کے اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرنے اور جھوٹے انعامات کا اعلان کرنے کے بجائے اس کتابچہ کا تحریری طور پر علمی جواب دیں۔ میں انشاء اللہ اس کے جواب کے لئے بھی حاضر ہوں۔

اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور آپ سب کو حق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حبیب الرحمٰن کاندھلوی

۱۷ر نومبر ۱۹۷۶ء

قراءت خلف الامام

یہ مسئلہ کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کی قرات کی جائے یا نہیں دورِ صحابہؓ سے مختلف فیہ رہا ہے جہاں کچھ صحابہ سری نمازوں میں قرارت فاتحہ کے قائل تھے وہاں ان کی اکثریت اس کی قطعاً منکر ہے یہی صورت حال تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی رہی ائمہ فقہاء میں سے امام شافعی کے علاوہ کوئی بھی جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کا قائل نہیں۔ اور امام شافعی کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کی نمازوں کو باطل قرار دینا جو امام کے پیچھے قرارت کے قائل نہیں ایک بدترین جہالت ہے اس سے صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کی نمازوں کا بطلان لازم آتا ہے۔ اور اگر خدانخواستہ صحابہ کی نمازوں کو باطل قرار دے دیا جائے تو صحابۂ کرام دین کے لئے قطعاً نمونہ باقی نہ رہیں گے جس سے تمام دین کا وجود ہی باطل ہوجائیگا اور یہ محال ہے۔

یہ جو تصور کیا جاتا ہے کہ ترک قرارت خلف الامام کی احناف کے پاس کوئی حدیث نہیں۔ یہ ایک صریح دھوکہ ہے۔ ہم ذیل میں سب سے پہلے وہ احادیث پیش کریں گے جن سے قرارت خلف الامام کی ممانعت ثابت ہوتی ہے آخر میں صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے فیصلے نقل کریں گے۔

۱۔ اس سلسلہ کی سب سے اول حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی ہے۔ وہ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبنا   رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا

خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا؛ فقال اذا صليتم فاقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم احدكم فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين۔

ہمارے لئے ہمارا طریقہ بیان فرمایا اور ہمیں نماز کی تعلیم دی، اور فرمایا جب تم نماز قائم کرو تو اپنی صفیں درست کرو پھر تم میں سے ایک شخص امامت کرے جب امام اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو۔ اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

(مسلم ج ۱ ص ۱۷۴، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۱، ابن ماجہ ج ۱ ص ۶۱، مسند احمد ج ۴ ص ۴۱۵، محلی ابن حزم ج ۳ ص ۲۴۰، کتاب القراءۃ بیہقی ص ۸۷، نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۲۹، فتاوی ابن تیمیہ ج ۲ ص ۱۴۲، نسائی ج ۱ ص ۱۰۷)

اس حدیث کو امام مسلم نے صحیح کہا ہے۔ اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قراءت کرنا امام کا فریضہ ہے۔ اور مقتدیوں پر یہ فرض ہے کہ وہ خاموش رہیں۔ اور کوئی قراءت نہ کریں اور یہ حکم عام ہے جس میں ہر نماز داخل ہے خواہ نماز سری ہو یا جہری۔

اس حدیث میں جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کا بیان ہے کہ حضور نے ہمیں نماز کی تعلیم دی اور دین کی سنتیں بیان فرمائیں۔ اگر فاتحہ خلف الامام ضروری یا مسنون ہوتی تو آپ اس کی قراءت کی تعلیم ضرور دیتے۔ لیکن آپ نے قطعاً اس کی تعلیم نہیں دی۔ اس کے برعکس قراءت امام کے وقت خاموش رہنے کا حکم دیا جس سے ثابت ہوا کہ نماز کا فریضہ یہ ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے خاموش رہیں۔

۲۔ ابو عوانہ نے اپنی صحیح میں قتادہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا قرأ الامام فانصتوا واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين

جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔ اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

(صحیح ابی عوانہ ج ۲ ص ۱۳۳)

۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا۔

انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرا فانصتوا واذا قال سمع اللہ لمن حمدہ فقولوا اللھم ربنا ولک الحمد۔	امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو۔ اور جب وہ قرات کرے تو تم خاموش رہو۔ اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللھم ربنا ولک الحمد کہو۔

(نسائی جلد ۱ ص۱۰۷، ابن ماجہ ص۶۱،
ابو داؤد جلد ۱ ص۸۹، مسند احمد ج ۲ ص۴۱۵، دار قطنی ج ۱ ص۳۳۴
بیہقی ج ۲ ص۱۵۶، ابن جریر ج ۹ ص۱۱، ابن کثیر جلد ۲ ص۲۸۰

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے بارے میں ابو بکر بن اخت ابی النضر نے امام مسلم سے سوال کیا تھا۔

فحدیث ابی ھریرۃ	ابو ہریرہؓ کی حدیث کیسی ہے۔
امام مسلم نے جواب دیا۔	
ھو صحیح	وہ صحیح ہے۔

سائل نے سوال کیا کہ کیا یہ جملہ واذا قرأ فانصتوا آپ کے نزدیک صحیح ہے؟

انھوں نے جواب دیا۔

ھو عندی صحیح (صحیح مسلم ص۱۷۴)	ہاں یہ میرے نزدیک صحیح ہے۔

۴۔ بیہقی نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا قرا الامام فانصتوا (کتاب القرات ص۹۲ بیہقی)	جب امام قرات کرے تو تم خاموش رہو

۵۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی۔

فجعل رجل یقرأ خلفہ سبح اسم	ایک شخص آپ کے پیچھے سبح اسم

ربك الاعلىٰ فلما انصرف قال ايكم قرأ او ايكم القارئ قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضكم خالجنيها۔ (مسلم ج۱ ص۱۷۲، نسائی ج۱ ص۱۴۳، ابوداؤد ج۱ ص۱۲۸، مسند حمیدی ج۲ ص۳۶۹)

ربک الاعلیٰ پڑھنے لگا۔ آپ نے سلام پھیرنے کے بعد سوال فرمایا تم میں سے کس نے قرارت کی تھی ایک شخص نے عرض کیا میں نے آپ نے فرمایا میرا خیال تھا کہ تم میں سے کسی نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔

اس حدیث سے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قرارت کرنے والا صرف ایک شخص واحد تھا۔ بقیہ صحابہ قرارت نہیں کر رہے تھے۔ اور یہ بھی صاف عیاں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق قرارت کو برا سمجھا اس میں کسی سورت کی تخصیص نہیں فرمائی۔ اور نہ یہ حکم دیا کہ فاتحہ پڑھ لیا کرو بلکہ امام کے پیچھے قرارت پر تنبیہ فرمائی۔

٦۔ امام مالکؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہری نماز سے فارغ ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

هل قرأ معي منكم احد آنفا فقال رجل نعم يا رسول الله قال فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اني اقول ما لي انازع القرآن فانتهى الناس عن القراءة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فيما جهر فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالقراءة حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله عليه وسلم (موطا امام مالک ص۲۹،

کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ قرارت کی تھی ایک شخص نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا میں بھی تو سوچتا تھا کہ مجھے قرارت قرآن میں کیوں کشمکش ہو رہی ہے۔ لوگ ان نمازوں میں جن میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے قرارت فرماتے ان نمازوں میں آپ کے پیچھے قرارت کرنے سے رک گئے۔ جب سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی تھی۔

نسائی ج ۱ ص ۱۰۶، ترمذی جلد ۱ ص ۴۲، ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۰، مسند احمد ج ۲ ص ۳۰۱،
سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۸، کتاب القراءۃ ص ۹۹، جزء القراءۃ للبخاری ص ۵۵، مسند حمیدی ج ۲ ص ۴۲۳)

یہ صبح کی نماز کا واقعہ ہے جیساکہ ابوداؤد میں اس کی تشریح ہے۔ ظاہر ہے کہ نماز صبح میں مدینہ کے تمام صحابہ موجود ہوں گے لیکن قراءت صرف ایک شخص نے کی تھی باقی نے قراءت نہیں کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو تنبیہ فرمائی جس نے قراءت کی تھی۔ اگر آپ نے پہلے قراءۃ کا حکم دیا ہوتا تو ہرگز آپ تنبیہ نہ فرماتے۔

ابو ہریرہؓ یہ بھی بیان کر رہے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد تمام صحابہ نے جہری نمازوں میں قراءت چھوڑ دی۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جہری نمازوں میں ترک قراءت کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ اب ایسی صورت میں اگر کوئی جہری نماز میں قراءت کرتا ہے تو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اجماع صحابہ کی مخالفت کرتا ہے۔ پھر حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے یہ تکلیف جہری نماز میں قراءت کے باعث ہوئی ہے۔ بلکہ اس تکلیف کا سبب مطلق قراءت کو فرمایا جس سے یہ ثابت ہوا کہ قراءت جہری نماز میں ہو یا سری نماز میں ہر قراءت حضورؐ کی تکلیف کا سبب ہے۔ اور اس کی دلیل عمرانؓ بن حصین کی وہ حدیث ہے جو ظہر کے سلسلہ میں مروی ہے اور جو سطور بالا میں گذر چکی ہے

امام زہری اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فانتعظ الناس فلم يكونوا يقرءون
(ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۰ . سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۸
جزء القراءۃ للبخاری ص ۲۳)

لوگوں نے اس سے نصیحت حاصل کی اور وہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے۔

امام زہری کی تشریح خود ثابت کر رہی ہے کہ امام کے پیچھے قراءت تمام صحابہ نے مطلقاً ترک کر دی، خواہ وہ سری نماز ہو یا جہری، کسی میں صحابہ قراءت نہ کرتے تھے۔ نیز ابوداؤد نے ابوہریرہؓ سے یہ جملہ روایت کیا ہے۔

فانتھی الناس عن القراءۃ	لوگ قراءت سے رک گئے۔

(سنن الکبریٰ ج ۲ ص۱۵۷، ابوداؤد ج ۱ ص۱۲۰، کتاب القراءت للبخاری ص۹۹)

۷۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہؓ بن بحینہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نماز کے بعد لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا۔

ھل قرا احد منکم معی آنفا قالوا نعم قال انی اقول مالی انازع القرآن فانتھی الناس عن القراءۃ معہ حین قال ذلک۔ (مسند احمد ج ۵ ص۳۴۵، سنن الکبریٰ ج ۲ ص۱۵۸، کتاب القراءۃ بیہقی ص۹۵)	کیا تم میں سے کسی نے اس وقت میرے ساتھ قراءت کی تھی۔ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا تبھی تو میں کہتا تھا کہ میں قرآن سے کیوں جھگڑ رہا ہوں۔ آپ نے جب یہ بات فرمائی تو لوگوں نے آپ کے ساتھ قراءت کرنا ترک کر دیا۔

امام ابوبکر ہیثمی اس روایت کو نقل کرکے فرماتے ہیں

ورجال احمد رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۱۰)	امام احمد کی اس حدیث کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

اس میں سری یا جہری کی کوئی قید نہیں۔ گویا اس فرمان کے پیش نظر تمام صحابہ کرام نے حضورؐ کے پیچھے تمام نمازوں میں قراءت ترک کر دی تھی۔

۸۔ بزار نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

کانوا یقرأون خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال خلطتم علی القرآن۔ (احکام القرآن ج ۳ ص۵۱، طحاوی ج ۱ ص۱۰۱، جوہر النقی ج ۲ ص۱۶۲)	صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کرتے۔ آپؐ نے فرمایا تم نے مجھ پر قرآن مخلوط کر دیا ہے

علامہ ہیثمی اس روایت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

رواہ احمد والبزار و ابو یعلی	اسے احمد بزار اور ابویعلی نے روایت

ورجال احمد رجال الصحیح (مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۱۱)	کیا ہے۔ اور مسند احمد کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

علامہ ماردینی فرماتے ہیں۔

سندہٗ جیدٌ۔ (جوہر النقی ج ۲ ص۱۶۲)	اس کی سند عمدہ ہے۔

یہ روایت بھی عام ہے۔ اور اس میں سری اور جہری سب نمازیں داخل ہیں۔

۹۔ بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ماکان من صلوٰۃ تجھر فیھا الامام بالقراءۃ فلیس لاحد ان یقرأ معہ۔ (کتاب القراۃ ص۹۹)	جس نماز میں امام جہر سے قراءت کرتا ہو اس نماز میں کسی کے لئے یہ اجازت نہیں کہ وہ امام کے ساتھ قراءۃ کرے۔

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے کسی مقتدی کے لئے قراءت کی مطلقاً گنجائش نہیں۔

۱۰۔ امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

کل صلوٰۃ لایقرأ فیھا بام الکتاب فھی خداج الاصلوٰۃ خلف الامام (کتاب القراءۃ للبیہقی ص۱۳۵)	جس نماز میں سورت فاتحہ قراءت نہ کی جائے وہ نماز ناقص ہوتی ہے۔ مگر جو نماز امام کے پیچھے پڑھی جائے اس میں قراءت نہیں۔

یہ دونوں احادیث ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں جن کے جمع کرنے سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ ابتداء میں جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام کی ممانعت کی گئی اور پھر ہر نماز میں قراءت خلف الامام سے منع کر دیا گیا۔ اور قراءت فاتحہ صرف منفرد کے لئے باقی رکھی گئی۔ اور مقتدی کے لئے ممنوع قرار دی گئی۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بیہقی شافعی المسلک ہیں اور قراءت خلف الامام کے قائل ہیں۔ اور انھوں نے ان احادیث کو نقل کرکے ان کی تاویل کی کوشش تو ضرور کی ہے لیکن ان کی سند پر

کوئی اعتراض نہ کر سکے جس سے ان روایات کی صحت قطعی طور پر ثابت ہو گئی کیونکہ اگر سند پر اعتراض کی کوئی گنجائش ہوتی تو امام بیہقی سب سے پہلے اس کی سند پر اعتراض کرتے اور اسے ضعیف قرار دیتے۔

۱۱۔ بخاری نے حضرت ابوبکرہؓ ثقفی سے روایت کیا ہے کہ وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے پہنچے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم رکوع میں تھے۔

فرکع قبل ان یصل الی الصف فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم زادك اللہ حرصا ولا تعد۔	انھوں نے صف میں شامل ہونے سے قبل رکوع کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیری حرص میں زیادتی کرے۔ آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا۔

(بخاری ج ۱ ص۱۰۸، سنن الکبری ج ۲ ص۹۰، ابوداؤد ج ۱ ص۹۹، نسائی ج ۱ ص۱۰۱، جامع الصغیر ج ۲ ص۲۲۶)

ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ ثقفی سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز میں شامل ہو گئے تھے اور حضورؐ نے انھیں نماز کے اعادہ کا حکم نہیں فرمایا۔ اگر بغیر قرات سورت فاتحہ نماز باطل ہے تو حضورؐ کو فرمانا چاہئے تھا کہ تم نماز کا اعادہ کرو کیونکہ تم نے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کی قرات نہیں کی تھی۔

علامہ ابن حزم ظاہری جو غیر مقلدین کے امام ہیں انہی ابوبکرہؓ کی ایک اور حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فہذا آخر فعل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کان ابوبکرۃ شہدہ وانما کان اسلامہ یوم الطائف بعد فتح مکۃ (محلی ج ۳ ص۲۴۶)	یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل ہے کیونکہ ابوبکرہؓ فتح مکہ کے بعد جنگ طائف میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔

۱۲۔ امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من ادرك الرکوع مع الامام	جس نے امام کے ساتھ رکوع پایا

فقد ادرك الركعة (سنن الکبریٰ بیہقی) | اس نے رکعت پالی۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث بھی بیہقی نے نقل کی ہے۔ پھر ابن مسعودؓ، ابن عمرؓ، ابو بکر صدیقؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن الزبیرؓ۔ اور ابو ہریرہؓ سے ثابت کیا ہے کہ وہ رکوع پانے کی بہت کوشش کیا کرتے تھے۔ اور ابن مسعودؓ اور ان کے اصحاب کا اسی پر عمل تھا۔

یہ مرفوع حدیث اور ان حضرات صحابہ کا عمل اس کی واضح دلیل ہے کہ رکوع پانے سے رکعت مل جاتی ہے۔ اور اسی لئے ابوبکرہؓ ثقفی کو اعادہ کا حکم نہیں دیا گیا۔ اور جب ایک رکعت سے سورت فاتحہ ساقط ہوئی اور پھر بھی اسے رکعت شمار کیا گیا تو اس سے از خود ثابت ہو گیا کہ مقتدی پر قرات فاتحہ واجب نہیں۔ اور نہ اس سے نماز باطل ہوتی ہے۔ ورنہ حضورؐ کے اس فرمان کی تکذیب لازم آئے گی اور یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو بکرہؓ ثقفی کی نمازیں باطل تھیں ہمارے نزدیک یہ تصور کرنے والا بھی یا تو اول درجہ کا احمق ہے یا انتہائی درجہ کا متعصب ہے۔

۱۳۔ ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت کا حال روایت کیا وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ کو امامت سپرد فرمائی تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھایا کریں، ایک روز آپ کو خیال ہوا کہ میں نماز باجماعت ادا کروں چونکہ پہلے آپ کو تکلیف زیادہ تھی پھر جب مرض میں افاقہ ہوا تو آپ دو آدمیوں کے سہارے آہستہ آہستہ چل کر مسجد پہنچے حالانکہ آپ کے قدم مبارک زمین پر گھسٹتے جاتے تھے۔ اور ابو بکرؓ اس سے پہلے نماز شروع کر چکے تھے اور ایک حد تک قرات بھی کر چکے تھے۔ الغرض آپ صفوں میں سے گذرتے ہوئے ابو بکرؓ کے پہلو میں پہنچے۔ ابو بکرؓ پیچھے ہٹنے

اوران کی جگہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی چونکہ آپ بیماری کے باعث بلند آواز سے قراءت نہ کر سکتے تھے۔ اسی لئے ابوبکرؓ نے لوگوں تک آواز پہنچانے کے لئے مکبر کا فریضہ انجام دیا اور آپ نے نماز شروع کرنے کے بعد۔

واخذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من القراءۃ من حیث کان بلغ ابوبکر (ابن ماجہ ص۸۸، مسند احمد ج ۱ ص۲۳۲)	اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سے قرارت شروع فرمائی جہاں سے ابوبکرؓ نے قرارت ترک کی تھی۔

ایک اور حدیث میں جو اس روایت کی تائید میں نقل کی جاتی ہے یہ الفاظ ہیں۔

فقرأ من المکان الذی بلغ ابوبکر من السورۃ۔ (مسند احمد ج ۱ ص۲۰۹)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ سے قرارت شروع فرمائی جس جگہ تک ابوبکرؓ پہنچے تھے۔

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

فاستفتح النبی صلے اللہ علیہ وسلم من حیث انتھی ابوبکر من القرآن (مسند احمد ج ۱ ص۲۳۲، السنن الکبری ج ۳ ص۸۱)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ سے قرارت شروع فرمائی جہاں تک ابوبکرؓ قرآن کی قرارت کر چکے تھے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔

فاستتم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من حیث انتھی ابوبکر من القراءۃ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ سے قراءۃ شروع فرمائی جہاں تک ابوبکرؓ قرارت کر چکے تھے۔

(معانی الآثار ج ۱ ص۲۳۵، مشکل الآثار ج ۲ ص۲۷، دار قطنی ص۱۵۳

فتح الباری ج ۲ ص۱۳۴، طبقات ابن سعد ج ۳ ص۱۳۱، نصب الرایہ ج ۲ ص۱۵)

یہ روایت سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ اس کے تمام رواۃ ثقہ ہیں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

وسند احمد وابن ماجۃ قوی۔ (فتح الباری ج ۵ ص ۶۲۹)	احمد اور ابن ماجہ کی سند قوی ہے۔

چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید علیل تھے اور آپ دو آدمیوں کے سہارے مسجد پہنچے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک گھسٹتے جاتے تھے اور نماز آپ کے تشریف لانے سے قبل شروع ہو چکی تھی۔ ظاہر ہے اتنی دیر میں ابوبکرؓ سورہ فاتحہ ختم کر چکے ہوں گے یا اس کا اکثر حصہ پڑھا جا چکا ہوگا لیکن آپ نے وہیں سے قرارت شروع فرمائی جہاں تک ابوبکرؓ قرارت کر چکے تھے۔ گویا آپؐ نے سورت فاتحہ یا اس کا چھوٹا ہوا حصہ قطعاً تلاوت نہیں فرمایا۔ بلکہ قاضی شوکانی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ آپ سے مکمل فاتحہ چھوٹ چکی تھی' اور یہ بھی بعید نہیں کہ اس رکعت کے علاوہ بقیہ رکعتوں میں سورت فاتحہ پڑھی ہو کیونکہ

لان النزاع انما ھو فی وجوب الفاتحۃ فی جملۃ الصلوٰۃ لا فی وجوبھا فی کل رکعۃ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۲۳۰)	اختلاف اس میں ہے کہ سورت فاتحہ کی قراءت نماز میں ایک بار واجب ہے۔ ہر رکعت میں واجب نہیں۔

گویا شوکانی اہل حدیث کے نزدیک پوری نماز میں ایک بار سورت فاتحہ پڑھ لینا کافی ہے ہر رکعت میں واجب نہیں۔ اور یہ ایک غیر مقلد عالم کا فتویٰ ہے۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری سورت فاتحہ یا اس کا اکثر حصہ چھوٹ چکا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے اس نماز کو صحیح اور درست سمجھا۔ اگر امام کے پیچھے اقتدا کرنے والے پر ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نماز قطعاً درست نہ ہوتی۔

امام شافعی اور حافظ ابن حجر اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایام مرض میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہی ایک نماز جماعت سے ادا کی تھی' اس لحاظ سے یہ آپ کا

آخری عمل ہوا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی امر میں اختلاف ہو تو حضور کے آخری فعل کو اختیار کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ بخاری نے بھی ایک مقام پر یہی اصول بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

انما یوخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم	نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے آخری فعل کو لیا جائے گا
(بخاری جلد ا ص۹۶)	

اور جب کسی عمل کا آخر میں ہونا ثابت ہو جائے تو پہلے افعال واقوال منسوخ ہو جاتے ہیں اور ان پر عمل جائز نہیں رہتا۔ اس لحاظ سے اگر آپ نے امام کے پیچھے قرات کا کوئی حکم بھی دیا تھا تو وہ اس آخری عمل سے منسوخ ہو گیا۔

فصل الخطاب کے مصنف نے دعویٰ کیا ہے کہ آج تک دنیا کا کوئی حنفی عالم جواب نہیں دے سکا۔ حتیٰ کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ بھی۔ یہ ایک سپید جھوٹ ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ پر خوب وضاحت سے کلام کیا ہے۔ مولوی ظفر احمد عثمانیؒ نے تقریباً ڈھائی سو صفحات کی ایک کتاب قرات فاتحہ کے رد میں لکھی ہے اور مولوی سرفراز احمد صاحب نے دو جلدوں میں کتاب تحریر فرمائی ہے۔ ہاں یہ حضرات فصل الخطاب کے مصنف کی طرح چھچھورے نہ تھے جو انعام کا مطالبہ کرتے اس مسئلہ میں تو مولوی ثناء اللہ امرتسری بھی احناف سے ہار گئے تھے۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہ تو بڑی ہستیاں ہیں، اس کا جواب مجھ جیسا ناچیز بھی لکھ سکتا ہے۔ ہاں ہم آپ سے انعام کے طالب ہرگز نہیں اس کے جواب کے ضرور طالب ہیں کیونکہ ان کی شرط کے مطابق صحیح متصل مرفوع صحاح وما وافق بہا (اور جو ان کے مساوی ہیں) سے تیرہ احادیث تو ہم پیش کر چکے ہیں۔ اور ایک دو جن کے قریب ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔

۱۴- اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے جو اسد بن موسیٰ نے فضائل صحابہ، بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری جلد ۲ ص۱۳ زیلعی نے نصب الرایہ ج ۲ ص۸ ۔ امام احمد نے اپنی مسند ج ۱ ص۲۰۹ اور دارقطنی نے جلد ۱ ص۱۵۳ پر روایت کی ہے۔

۱۵- احمد بن منیع نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں،

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ (فتح الملہم ج ۲ ص۲۷	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے۔

فتح القدیر ج ۱ ص۲۳۹ - کتاب الآثار لابی یوسف ص۲۳)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور یہ حدیث احمد بن منیع نے دو سندات سے روایت کی ہے۔ جس کے بارے میں اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

والاسناد الاول صحیح علی شرط الشیخین والثانی علی شرط مسلم (ہدایۃ السائل ص۳۰۲)	پہلی سند بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور دوسری مسلم کی شرط پر۔

یہ روایت بھی صحیح مرفوع متصل ہے، اور عام ہے کہ نماز جہری ہو یا سری امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب امام کے پیچھے قطعاً قرارت نہ کی جائے۔ حتیٰ کہ نواب صدیق حسن خاں یہ بھی لکھنے پر مجبور ہیں

و بالجملہ ایں حدیث بطرق متعددہ ارسالاً و رفعاً مروی شدہ و روے دالت است برآنکہ مؤتم درپس امام۔	الغرض یہ حدیث متعدد سندات سے مرسلاً اور مرفوعاً مروی ہے۔ اور اس حدیث میں اس پر دلالت ہے کہ جو مقتدی امام کے پیچھے

فاتحہ نہ خواند زیرا در قرات وامام قرات موتم است۔ (ہدایت السائل ص۳۲)	نماز پڑھ رہا ہو وہ فاتحہ نہ پڑھے، کیونکہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

١٦۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صلّے رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القراٰن فلم یصل الا وراء الامام۔ (طحاوی۔ج۔ا ص۱۰۶)	جس نے ایک رکعت بھی ایسی نماز پڑھی جس میں سورت فاتحہ کی قراءت نہیں کی اس نے نماز نہیں پڑھی، مگر امام کے پیچھے پڑھے۔

یہ روایت ترمذی، نسائی اور موطا امام مالک میں بھی موقوفاً مروی ہے۔ (ترمذی جلد ا۔ ص۴۲۔ موطا ص۲۸) نواب صدیق حسن خاں اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

در حدیث جابر عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم کہ فرمودہ من صلے رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القراٰن فلم یصل الا وراء الامام رواہ الطحاوی فی معانی الآثار بسند متصل مرفوع ورواہ الترمذی مرفوعا وقال حسن صحیح	حضرت جابرؓ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا جس نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں سورت فاتحہ تلاوت نہیں کی اس نے نماز نہیں پڑھی، مگر امام کے پیچھے پڑھے اسے طحاوی نے معانی الآثار میں سند متصل کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے موقوفاً روایت کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

لیجئے یہ ایک اہل حدیث عالم کا اقرار ہے کہ یہ حدیث صحیح متصل مرفوع ہے۔ اس سے یہ واضح ہوگیا کہ قراءت فاتحہ منفرد پر واجب ہے نہ کہ مقتدی پر خواہ سری نماز ہو یا جہری۔

١٧۔ علامہ شمس الدین حنبلی اور امام موفق بن قدامہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کل صلاۃ لایقرأ فیھا بام القراٰن فھی خداج الا ان یکون وراء الامام (مغنی ج ا۔ ص۶۰۶، شرح مقنع ج۲ ص۱۲)	ہر وہ نماز جو سورت فاتحہ کے بغیر پڑھی جائے ناقص ہوتی ہے مگر یہ کہ امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو۔

۱۸۔ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من کان لہ امام وقراءۃ الامام لہ قراءۃ (مسند احمد ج ۳ ص۳۳۹ شرح مقنع الکبیر ج ۲ ص۱۱)	جس شخص کا کوئی امام ہے تو امام کی قرات مقتدی کی قرارت ہے۔

۱۹۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من کان لہ امام فقراءتہ لہ قراءۃ	جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرات مقتدی کی قرارت ہے۔

علامہ ماردینی فرماتے ہیں۔

سندہ صحیح (الجوہر النقی ج ۲ ص۱۵۹)	اس کی سند صحیح ہے۔

۲۰۔ عبد بن حمید نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔	جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرات مقتدی کی قراۃ ہے۔

علامہ آلوسی نے اس حدیث کو شرط مسلم پر صحیح قرار دیا ہے (روح المعانی۔ جلد ۹ ص۱۳۴ جوہر النقی۔ جلد ۱۔ ص۱۵۹)

۲۱۔ امام محمد بن الحسن نے امام ابو حنیفہ کی سند سے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ (موطا امام محمد ص۹۶)	جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرات مقتدی کی قرارت ہے)

۲۲۔ انہی امام محمد نے اسرائیل کی سند سے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

مَن کان له امام فقراءتهٗ۔ (موطا امام محمد ص۹۶)	جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے۔

۲۳۔ بیہقی نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ان رجلا صلی خلف النبی صلی الله علیه وسلم فی الظهر والعصر یعنی یقرأ فاومیٰ الیہ رجل فنهاه فابیٰ فلما انصرف فقال اتنهانی ان اقرا خلف النبی صلی الله علیه وسلم فتذاکرا حتی سمع النبی صلی الله علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من صلی خلف امام فان قراءة الامام له قراءة۔ (کتاب القراءۃ بیہقی ص۱۰۲، کتاب الآثار ص۲۳)	ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر یا عصر کی نماز پڑھی۔ وہ آپ کے پیچھے قرارت کرنے لگا۔ دوسرے شخص نے اسے اشارے سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ جب قرارت کرنے والے نے سلام پھیرا تو منع کرنے والے سے کہا کہ تو مجھے حضورؐ کے پیچھے قرارت سے کیوں منع کرتا تھا۔ دونوں میں گفتگو ہونے لگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گفتگو سنی تو فرمایا جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے۔

۲۴۔ امام ابن قدامہ نے اس حدیث کو اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔ ان کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔

اذا کان لک له امام یقرا فان قراءته لک قراءة (مغنی ص۶۰۹-۱)	جب امام موجود ہو اور قرارت کر رہا ہو تو اس کی قرارت تیری قرارت ہے۔

اس صحیح روایت میں ظہر یا عصر کا ذکر ہے جو سری نماز ہے۔ اور آپ کے پیچھے قرارت کرنے والا بھی صرف ایک شخص واحد تھا۔ اور دیگر صحابہ نے قرارت نہیں کی تھی۔ اگر امام کے پیچھے قرارت مشروع ہوتی تو دوسرا شخص اسے اشارہ سے منع نہ کرتا۔ اور نماز کے بعد حضورؐ ممانعت کرنے والے کو اس کی غلطی پر تنبیہ فرماتے

اور کہتے نہیں امام کے پیچھے الحمد ضرور پڑھا کرو۔ اس کے برعکس آپ قرات کرنے والے پر نکیر فرماتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات نہیں۔ اور نہ صحابہؓ کرام قرات کیا کرتے تھے۔ اور اگر کبھی اتفاق سے کوئی نووارد ایسا کر بھی لیتا تو اسے ممانعت کی جاتی اب ایسی صورت میں امام کے پیچھے قرات فاتحہ کو واجب کہنے والا سنت رسولؐ اور سنت صحابہؓ کا منکر ہے۔

۲۵ - امام حاکم نے مستدرک میں اور امام ابی یوسف نے کتاب الآثار میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔

ان رجلا قرأ خلف النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی الظہر او العصر فاومأ الیہ رجل فنہاہ فلما انصرف قال اتنہانی۔ الحدیث (کتاب الآثار ص۲۲)	ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر یا عصر میں قرات کی۔ ایک شخص نے اسے اشارے سے منع کیا۔ اس نے سلام پھیرنے کے بعد کہا تو مجھے قرات سے روکتا ہے۔ آخر حدیث تک۔

اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔

من صلّے خلف امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ (مستدرک ج۱ ص۲۹۷ جلد دوم ص۲۴، کتاب الآثار ص۲۳)	جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرات مقتدی کی قرات ہے۔

امام ذہبی تلخیص المستدرک میں اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ھذا حدیث صحیح۔	یہ حدیث صحیح ہے۔

۲۶ - امام محمد نے مؤطا میں حضرت عبداللہؓ بن شداد بن الہاد سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی العصر قال فقرأ رجل خلفہ فغمزہ الذی یلیہ فلما	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر کی امامت فرمائی۔ آپؐ کے پیچھے ایک شخص نے قرات کی۔ اس شخص کے ساتھ جو

ان صلی قال لو غمز ستی! قال کان رسول اللہ صلے اللہ قد امك فکرهت ان تقرا خلفه فسمعه النبی صلے الله علیه وسلم فقال من کان له امام فان قراته له قراءة ۔ (موطا امام محمد ص۹۸)

شخص کھڑا تھا اس نے اس کے چوکا مارا نماز سے فراغت کے بعد اس نے اس سے سوال کیا کہ تو نے میرے چوکا کیوں مارا تھا۔ اس نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرے آگے تھے۔ میں نے یہ برا سمجھا کہ تو آپ کے پیچھے قراءت کرے۔ نبی کریم صلی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

۲۷۔ ابن قدامہ حنبلی نے روایت کیا ہے۔

وانا ما رواه الامام احمد عن وکیع عن سفیان عن موسیٰ بن ابی عائشة عن عبد الله بن شداد قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کان له امام فان قراءة الامام له قراءة ۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۶۰۹)

ہمارے مسلک حنبلیہ کی دلیل وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے وکیع، سفیان اور موسیٰ بن ابی عائشہ کے واسطے عبد اللہ بن شداد سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

۲۸۔ بیہقی نے حضرت نواس بن سمعان سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

صلیت مع رسول الله صلے الله علیه وسلم صلوة الظهر وکان عن یمینی رجل من الانصار فقرا خلف النبی صلے الله علیه وسلم وعلی یساری رجل من مزینة یلعب بالحصٰی

میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ میرے دائیں ہاتھ پر ایک انصاری شخص تھا، اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قراءت کی اور میرے بائیں جانب قبیلہ مزینہ کا ایک شخص تھا جو کنکریوں سے کھیل رہا تھا۔

فلما قضی صلاته قال من قرأ خلفی قال الانصاری یا رسول اللہ نعم قال من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ (کتاب القراءۃ ص۱۳۹)	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری فرمانے کے بعد سوال کیا۔ میرے پیچھے کسی نے قراءت کی تھی۔ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے۔ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کیا کر کیونکہ جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءۃ مقتدی کی قراءت ہے۔

۲۹۔ امام حاکم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من صلے خلف امام فان قراءتہ قراءۃ۔ (معرفۃ علوم ۱۷۰)	جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءۃ مقتدی کی قراءۃ ہے۔

۳۰۔ دارقطنی نے حضرت ابوالدرداءؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

سئل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم افی کل صلوٰۃ قراءۃ قال نعم فقال رجل من الانصار وجبت ھذہ فقال لی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وکنت اقرب القوم الیہ ما اری الامام اذا ام القوم الا کفاھم۔ (دارقطنی ج-۱ ص۱۳۶، مسند احمد۔ ج-۶۔ ص۴۴۸، نسائی ج۱ ص۱۰۶)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کیا ہر نماز میں قراءت ہے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں ایک انصاری شخص بولا یہ قراءت واجب ہو گئی۔ ابوالدرداءؓ کہتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریب تھا۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا۔ میرا خیال ہے جب کسی قوم کا کوئی امام ہو تو وہ امام مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔

کتاب القراءۃ ص۱۱۱ سنن الکبری ج۲ ص۱۶۳،
طحاوی ج۱ ص۱۲۹، مجمع الزوائد ج۲ ص۱۱۱)

۳۱۔ امام حاکم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔

من صلی خلف امام فان قراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ (طحاوی ج۱۔ الحاکم معرفۃ علوم الحدیث ص۱۷۱)	جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے۔

۳۲۔ بیہقی نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بام القرآن فھی خداج الا وراء الامام۔ (بیہقی کتاب القرارت ص۱۱)	جس نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ ناقص ہوتی ہے۔ مگر امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے۔

۳۳۔ بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ (کتاب القرارت ص۱۱)	جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے۔

۳۴۔ خطیب بغدادی نے ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ (تاریخ بغداد ج۲ ص۳۴)	جس شخص کا کوئی امام ہو تو امام کی قرارت مقتدی کی قرارت ہے۔

۳۵۔ بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کل صلوٰۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فلا صلوٰۃ لہ الا وراء الامام (کتاب القرارت ص۱۴۴)	جس نماز میں سورت فاتحہ کی قرارت نہ کی جائے وہ نماز نہیں ہوتی مگر امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے۔

۳۶۔ بیہقی نے حضرت بلالؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لا اقرأ خلف الامام (کتاب القراءت ص۱۳۹)	مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں امام کے پیچھے قرارت نہ کروں

۷۳۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر مختلف صحابہؓ سے مروی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین	جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ کہے تو تم آمین کہو۔

یہ مشہور حدیث ہے جو تمام کتب احادیث میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کا تعلق آمین سے ہے۔ لیکن امام ابن تیمیہ نے اس سے جو نکتہ پیدا کیا ہے وہ سُن لیجئے اور ان کی خداداد ذہانت کی داد دیجئے۔ وہ مسئلہ خلف الامام پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

امام کے جہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ پڑھے اور مقتدی سنیں یہی وجہ ہے کہ امام جہری نمازوں میں جب وَلَا الضَّالِّينَ پڑھتا ہے تو مقتدی بھی آمین کہتے ہیں۔ اور سری نمازوں میں چونکہ مقتدی سنتے نہیں اس لئے وہ آمین بھی نہیں کہتے۔ اگر امام بھی قرارت کر رہا ہو اور مقتدی بھی پڑھتے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ امام کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کو قرآن سناؤ جو اسے سننے کے لئے تیار نہیں۔ اور ایسی قوم کو خطبہ دو اور وعظ کہو جو توجہ نہیں کرتی اور یہ ایک ایسی کھلی حماقت ہے جس سے شریعت مطہرہ کا دامن بالکل پاک ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے جو شخص خطبہ امام کے وقت باتیں کر رہا ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا گیا ہو۔ ایسا ہی وہ شخص ہے جو جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت کرتا ہو۔ (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ، جلد ۲۔ ص۱۴۲)

یعنی جیسے گدھا کتابوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اسی طرح مقتدی

قرارت امام سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اگر امام کے پیچھے سورت فاتحہ فرض ہوتی تو حکم یہ دیا جاتا کہ جب تم وَالضَّآلِّیْن کہو تو آمین کہو۔ امام کے وَالضَّآلِّیْنَ کہنے پر لوگوں کی آمین کو موقوف نہ کیا جاتا۔ کیونکہ تمام مقتدیوں کی سورت فاتحہ ایک ساتھ ہرگز ختم نہیں ہوسکتی ممکن ہے کہ کسی کی قرارت امام کے بعد ختم ہو۔ اور اگر کوئی شخص سکتات امام میں (جب امام آہستہ قرارت کرے) قرارت کر رہا ہے تو اس کی قرارت فاتحہ امام کے ساتھ ہرگز ختم نہیں ہوگی بلکہ وہ تو آخری آیت امام کی وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد قرارت کرے گا اور حکم یہ ہے کہ امام کی وَلَا الضَّآلِّیْنَ پر آمین کہو۔ ایسی صورت میں اگر سورت فاتحہ کے خاتمہ کا انتظار کیا جائے گا تو اس حدیث کا ترک لازم آئے گا۔ اور اگر امام کے ساتھ آمین کہی جائے گی تو آخری آیت کا ترک لازم آئے گا جو تمھارے اصول کے خلاف ہے۔

اسی طرح اگر کچھ اشخاص نماز میں اس وقت شامل ہوئے جبکہ امام سورت فاتحہ کی آخری آیت تلاوت کر رہا ہے، تو اگر امام کے ساتھ آمین کہی جاتی ہے تو قرارت فاتحہ ترک ہوتی ہے، اور اگر قرارت کی جاتی ہے تو آمین ترک ہوتی ہے۔ اور اگر امام کی وجہ سے درمیان ہی میں آمین کہہ لی جائے، تو سورت فاتحہ کی تکمیل کے بغیر آمین واجب نہیں ہوتی۔ اس صورت میں یہ ایک مہمل فعل ہوگا۔ اور جب فاتحہ ختم ہوگی تو دوبارہ آمین کہنا لازم ہوگا۔ اس لحاظ سے حضورؐ کو فرمانا یہ چاہیئے تھا کہ جب تم وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہو تو آمین کہو۔ حالانکہ ایسا نہیں فرمایا گیا۔ بلکہ حکم ہوگیا کہ جب امام وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہے تو تم آمین کہو۔ بالفاظ دیگر حضورؐ کا مقصود یہ تھا امام کے وَلَا الضَّآلِّیْنَ کہنے تک خاموش رہو۔ ورنہ اس حدیث پر ہرگز بھی عمل نہ ہو سکے گا۔

۳۸۔ بیہقی نے مجاہد بن جبر سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلے اللہ علیہ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

وسلم یقرأ فی الصلوٰۃ فسمع قراءۃ فتی من الانصار فنزل واذا قرئ القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا الاٰیۃ (کتاب القراءت ص۷۳)	نماز میں قرارت فرما رہے تھے۔ آپ نے ایک انصاری جوان کی قرارت کی آواز سنی، تو یہ آیت نازل ہوئی اور جب قرآن کی قرارت کی جائے تو اس پر کان لگاؤ اور خاموش رہو۔

۳۹ بیہقی نے ابو عالیہ ریاحی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا صلے قرا اصحابہ فنزلت فاستمعوا لہ الاٰیۃ فسکت القوم وقرا النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔ (کتاب القراءت ص۷۲)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تو قرارت فرماتے آپ کے صحابہ بھی قرارت کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کان لگاؤ اور خاموش رہو صحابہ خاموش ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرارت فرماتے رہے۔

۴۰ بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ یعنی فی الصلوٰۃ المفروضۃ (کتاب القراءت ص۷۴، مستدرک ج۲ ص۲۳)	اور جب قرآن کی قرارت کی جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یہ حکم فرض نمازوں میں ہے۔

امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔

فصل الخطاب کے مصنف کا مطالبہ تھا کہ ایک صحیح مرفوع متصل حدیث صحاح ستہ وما وافق بہا سے پیش کی جائے ہم نے ایک چھوڑ چالیس احادیث پیش کر دی ہیں۔ اب دیکھئے وہ انعام کب تقسیم فرماتے ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب میں دعویٰ کیا ہے کہ آج تک کوئی حنفی عالم ایسی ایک حدیث بھی پیش نہ کر سکا اور ہمارے اس رسالہ کا کوئی جواب لکھ سکا۔ حالانکہ مولوی سرفراز صاحب نے ایک کتاب "احسن الکلام" اسی کے رد میں لکھی ہے جو بڑی تقطیع کے

اور منفرد کو سابقہ احادیث کے باعث اس سے خارج تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ اگر اسے عام مان لیا جائے تو ایک حدیث کی خاطر چالیس احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔ اور ایسی غلطی یا تو کوئی احمق کر سکتا ہے یا کوئی منکر حدیث۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ، امام احمدؒ، اور امام مالکؒ وغیرہ نے اس حدیث عبادہؓ سے جو منفرد کو خارج کیا ہے۔ تاکہ دیگر احادیث پر عمل ہو سکے تو ان کی اس رائے کا صحابۂ کرام ساتھ دیتے ہیں یا نہیں۔ اگر صحابۂ کرام یا ان کی اکثریت بھی یہی مطلب بیان کر رہی ہو تو ماننا پڑے گا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے جو کچھ فیصلہ فرمایا وہ عقلاً و نقلاً سو فی صد صحیح ہے۔

اثر عبداللہ بن عمرؓ سے ۷۳ھ

امام مالکؒ نے نافع سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

ان عبد اللہ بن عمر کان اذا سئل ھل یقرأ احد خلف الامام فحسبہ قراءۃ الامام واذا صلی وحدہ فلیقرأ وکان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام (مؤطا ص ۲۹، دار قطنی ج ۱ ص ۱۵۴)	حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا کوئی شخص امام کے پیچھے قراءت کر سکتا ہے۔ انھوں نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے اسے امام کی قراءت کافی ہے۔ اور جب اکیلے نماز پڑھے تو قراءت کرے اور عبداللہ بن عمرؓ امام کے پیچھے قراءت نہ کرتے تھے۔

قاسم بن محمد کا بیان ہے۔

کان ابن عمر لا یقرأ خلف الامام جہر او لم یجہر۔ (کتاب القراءت ص ۱۳۶)	جہری نماز ہو یا غیر جہری ابن عمرؓ امام کے پیچھے قطعاً قراءت نہ کرتے تھے۔

ابن عمرؓ کے اس اثر کی جو سند ہے اس کے بارے میں امام بخاری فرماتے ہیں۔

اصح الاسانید مالک عن نافع عن ابن عمر۔	تمام سندات میں سب سے بہتر سند مالک عن نافع عن ابن عمر ہے۔

پانچ سو سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اسے شائع ہوئے بھی بیس سال گذر گئے ہیں۔ کیا اسی جھوٹ کا نام اتباع حدیث ہے۔

اقوالِ صحابہ

اسلام میں کتاب وسنت رسول کے بعد جس چیز کو پیش کیا جا سکتا ہے وہ اسوۂ صحابہ ہے۔ صحابہ کی ذات ہمارے لئے عملی نمونہ ہے کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ ہیں۔ کتاب وسنت کے سب سے زیادہ واقف ہیں۔ جب بھی کتاب وسنت کی تفسیر میں اختلاف ہوتا ہے توامت کے لئے ان کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے جس سے ہرگز روگردانی نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اگر کوئی حدیث اجماع صحابہ کے خلاف واقع ہو تو اس حدیث کی صحت بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تمام صحابہ گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتے۔ اور نہ حکم رسول سے تمام صحابہ ناواقف ہو سکتے ہیں پھر خصوصاً ایسے مسئلہ میں جس کی فرضیت قطعی ہو اور اس پر دین یا دین کے ایک اہم رکن کا دارومدار ہو۔ ایسی صورت میں یہ ناممکن ہے کہ اکثریت صحابہ اس مسئلہ سے ناواقف رہے۔ لازماً وہ اس حدیث کو ضرور جانتے ہوں گے اور اس کے جاننے کے باوجود اس کے خلاف اتفاق بلادلیل ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے اس روایت کو یا تو منسوخ سمجھا ہوگا یا اس کا مفہوم کچھ اور ہوگا جو ہمارے فرضی مفہوم کے خلاف ہوگا۔ اور جب کسی مفہوم کا تعین ان سے ثابت ہو جائے گا تو دوسرا احتمال خود بخود باطل ہوگا۔

غیر مقلدین حضرات امام کے پیچھے فاتحہ کے ثبوت میں عبادہ بن صامت کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتٰب	نماز سورت فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

اور اسے منفرد، امام اور مقتدی سب کے لئے عام تصور کرتے ہیں۔ اس مسئلہ کی یہی اصل بنیاد ہے۔ احناف اسے منفرد اور امام کے لئے مخصوص تصور کرتے ہیں۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ یہ وہی ابن عمرؓ ہیں جن سے رفع یدین کی حدیث مروی ہے اور متعدد مسائل میں غیر مقلدین نے ابن عمرؓ کی روایت کو قبول کیا ہے۔ لیکن فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں انھوں نے ابن عمرؓ سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔

اثر جابر بن عبد اللہؓ

امام مالکؒ نے موطا میں اعلیٰ سند سے حضرت جابرؓ کا یہ قول روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام۔ (موطا ص۲۸، ترمذی ج۱ ص۴۲)	جس شخص نے ایک رکعت نماز پڑھی اور اس میں سورت فاتحہ کی تلاوت نہیں کی اس نے نماز نہیں پڑھی۔ مگر امام کے پیچھے نہ پڑھے۔ ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

ابو الدرداءؓ کا فیصلہ

نسائی نے ابو الدرداءؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ما اری الامام اذا ام القوم الا قد کفاھم۔ (نسائی جلد ۱ ص۹۳)	میں خیال کرتا ہوں کہ جب امام کسی قوم کی امامت کرے تو امام کی قرارت مقتدیوں کے لئے کافی ہے۔

مسند احمد جلد ۶ ص۴۴۸، کتاب القراۃ ص۱۱۵، سنن الکبریٰ ج۲ ص۱۶۲

طحاوی ج۱ ص۱۲۹، مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۱۰)

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ نسائی نے اسے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح روایت کیا ہے۔ اور بقیہ محدثین نے اسے مرفوع روایت کیا ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ امام نسائی جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کو حکم قرآنی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

زید بن ثابتؓ کا فیصلہ

امام مسلم اور نسائی نے حضرت زید بن ثابت سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

لَا قِرَاءَةَ مع الْإِمَامِ فِيْ شَيْئٍ	امام کے ساتھ کسی نماز میں قرارت نہیں۔

(طحاوی جلد ۱ ص۱۲۸، مسلم ج ۱ ص۲۱۵، نسائی ج ۱ ص۱۱۱، ابوعوانہ ج ۲ ص۲۰۴)

زیدؓ بن ثابت کی ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔

مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ فَلَا صَلٰوةَ لَهٗ	جس نے امام کے پیچھے قرارت کی اس کی نماز نہیں۔

(کتاب القراءۃ بیہقی ص۱۳۲، مؤطا امام محمد ص۱۰۰، جزء القرارت للبخاری ص۱۷)

طحاوی نے عبیداللہ بن مقسم سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے عبداللہ بن عمر، زیدؓ بن ثابت اور جابرؓ بن عبداللہ سے قرارت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا۔

فقالوا لا تقرأو خلف الامام فی شیئ من الصلوٰۃ۔ (طحاوی ج ۱ ص۱۲۹، زیلعی ج ۲ ص۱۱۲)	ان حضرات نے جواب دیا امام کے پیچھے کسی نماز میں قرارت نہ کرو۔

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

وزید بن ثابت گفتہ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِيْ شَيْئٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ جَابِرٍ مَعْنَاهُ وَهُوَ قَوْلُ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ وَكَثِيْرٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ (ہدایۃ السائل ص۱۹۳)	زید بن ثابت کہتے ہیں امام کے ساتھ کسی نماز میں کوئی قرارت نہیں۔ اس قول کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ جابر سے بھی اسی قسم کا قول مروی ہے، اور یہی قول حضرت علیؓ حضرت عبداللہؓ بن مسعود اور اکثر صحابہ کا ہے۔

لیجئے ایک غیر مقلد عالم نے خود اقرار کرلیا ہے کہ اکثر صحابہ امام کے پیچھے قرارت کے مطلق قائل نہ تھے۔ فصل الخطاب کے مصنف کے بقول ان سب کی نمازیں باطل تھیں۔ جن میں اتنے بڑے بڑے صحابہ شامل ہیں صرف چودھویں صدی کے غیر مقلد ملاؤں کی نماز تو صحیح ہے۔ باقی سب کی نمازیں باطل ہیں۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا فیصلہ

ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابووائل سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود سے دریافت کیا۔ کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں۔ انھوں نے فرمایا۔

ان فی الصلوٰۃ شغلا وسیکفیک ذاک الامام (الجوہر النقی ج ۱ ص ۱۰۱)	نماز میں مشغولی ہوتی ہے۔ اور تجھے یہ امام کافی ہے۔

ہیثمی مجمع الزوائد میں لکھتے ہیں۔

ورجالہ موثقون۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۱۰)	اس کے تمام روات ثقہ ہیں۔

رفع یدین کے مسئلہ میں غیر مقلدین ابن مسعودؓ کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ وہ پستہ قد تھے۔ اس لئے تیئیس سال تک حضورؐ کو نماز پڑھاتے ہوئے بھی نہ دیکھ سکے لیکن فاتحہ خلف الامام کا دیکھنے سے کوئی تعلق نہیں ہے اس کا سننے سے تعلق ہے۔ ویسے آپ کی منطق کی رو سے فیصلہ یہ ہونا چاہئے کہ ہر پستہ قد جاہل ہو اور ہر طویل القامت عالم ہو۔ کہئے کیا خیال ہے؟

امام محمد نے مؤطا میں ابن مسعودؓ کا عمل نقل کیا ہے۔

اَنَّ ابن مسعود کان لَا یَقْرَأُ خلف الامام فیما یجھر فیہ و فیما یخافت فیہ فی الاولیین ولا فی الاخریین واذا صلّٰی وحدہ قرأ فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ (موطا امام محمد ص ۹۶)	عبداللہ بن مسعود امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں قراءت کرتے نہ سری نمازوں میں۔ نہ پہلی دو رکعتوں میں اور نہ آخر کی دو رکعتوں میں۔ اور جب تنہا نماز پڑھتے تو پہلی دو رکعتوں میں سورت فاتحہ اور کسی سورت کی قراءت فرماتے۔

بخاری نے جزء القراءت میں ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے نسخہ میں ہے۔

وودت ان الذی یقرأ خلف	میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے

الامام ملئ فوہ نتنًا۔ (جزء القرارت ص۱۶)	پیچھے قرات کرے اس کا منہ بدبو سے بھر دیا جائے۔

بخاری کہتے ہیں یہ مرسل ہے۔ لیکن خود ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ ابراہیم کی مرسلات بہت عمدہ ہوتی ہیں اور پھر خود ہی سند متصل سے روایت کرتے ہیں کہ اسود نے ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملئ فوہ ضفنًا۔ (جزء القرارت ص۱۶)	میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے اس کا منہ آگ سے بھر دیا جائے۔

گویا امام بخاری کو بدبو سے منہ کا بھر جانا پسند نہیں، لیکن آگ سے منہ بھرنا قابل قبول ہے۔ اسی لئے امام بخاری اس کی سند پر کوئی اعتراض نہ کر سکے بلکہ عبداللہ بن مسعود کے جواب میں حمّاد بن زید تبع تابعی کا قول نقل کیا۔ اور یہ نہ سوچا کہ ایک تبع تابعی کے قول سے صحابی کا قول کیسے رد ہو سکتا ہے۔ خیر ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں وہ قول بھی سن لیجئے۔ اور بخاری کی فقہ دانی پر سر دھنئے۔ حماد کہتے ہیں۔

ودت ان الذی یقرأ خلف الامام ملئ فوہ سکرا۔ (جزء القرارت ص۱۷)	میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے اس کا منہ شکر سے بھر دیا جائے۔

امام بخاری سے کوئی پوچھے کہ جب منہ میں شکر بھر دی جائے گی تو قرارت فاتحہ کیسے ہوگی۔ اور کیا نماز کے دوران شکر کھانا جائز ہے۔ ممکن ہے کہ حماد نے امام کے پیچھے قرارت سے روکنے کے لئے بطور مزاح یہ مشورہ دیا ہو اور شاید امام بخاری اس مذاق کو نہ سمجھ سکے ہوں۔

خیر امام بخاری نے اتنا تو تسلیم کر لیا کہ عبداللہؓ بن مسعود قرارت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

بیہقی نے ابو وائل سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود سے قرارت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا گیا۔ انھوں نے فرمایا۔

انصت للقرآن فان فی الصلوٰۃ شغلاً وسیکفیک ذاک الامام (سنن الکبریٰ ج ۲ ص۱۶۰)	قرآن کے لئے خاموش رہو کیونکہ نماز میں مشغولی ہوتی ہے اور تیرے لئے یہ امام کافی ہے۔

ایک اور روایت میں ابن مسعودؓ کے الفاظ ہیں۔

انصت للقراءۃ فان فی الصلوٰۃ شغلاً وسیکفیک ذاک الامام۔ (طحاوی ج ۱ ص۱۲۹)	قرارت کے لئے خاموش ہو جا کیونکہ نماز میں مشغولی ہوتی ہے۔ اور تیرے لئے یہ امام کافی ہے۔

مجمع الزوائد ج ۲ ص۱۱۰، کتاب القرارت ص۱۱۶، موطا امام محمدؒ ص۹۶، فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۳ ص۲۷۵

غیر مقلدین کو حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے خاص پرخاش ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے جملے انھیں ناگوار گذرے ہوں۔ اس لئے ہم ان حضرات کے اقوال پیش کرتے ہیں جنھوں نے قرارت خلف الامام کرنے والوں کے لئے اسی تمنا کا اظہار کیا ہے۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کا قول ہے

سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں۔

وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ۔ (جزء القرارت ص۱۱ بخاری، موطا امام محمد ص۹۸)	میں پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے اس کے منہ میں چنگاری ڈال دی جائے۔

عبدالرزاق بن ہمام نے موسیٰؒ بن سعد سے روایت کیا ہے کہ میرے والد حضرت سعدؓ نے فرمایا۔

وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ حجر۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص۶۸)	میں چاہتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے، اس کے منہ میں پتھر بھر دیئے جائیں۔

محدث محمد حسن صاحب فیض پوری فرماتے ہیں۔

رجال اسنادہ ثقات۔	اس کی سند کے تمام روات ثقہ ہیں۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ

امام محمدؒ نے محمد بن عجلان سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔

لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا (موطا امام محمد ص۹۵)	جو شخص امام کے پیچھے قرات کرتا ہو کاش اس کا منہ پتھروں سے بھر دیا جائے۔

حضرت علیؓ کا فیصلہ

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

من قرأ مع الامام فلیس علی الفطرۃ۔ (الجوہر النقی ج۲ ص۱۶۹)	جس نے امام کے ساتھ قراوت کی وہ دین فطرت پر نہیں ہے۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں۔

من قرأ خلف الامام فقد اخطأ الفطرۃ۔ (دارقطنی ج ۱ ص۱۲۹)	جس نے امام کے پیچھے قرات کی اس نے فطرت کے خلاف کام کیا۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔

من قرأ خلف الامام فلیس علی الفطرۃ (طحاوی ج۱ ص۱۲۹ منتخب کنز العال ص۱۸۱)	جس نے امام کے پیچھے قرات کی وہ فطرت پر نہیں ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام نے موسیٰؒ بن عقبہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

ان ابابکر و عمر و عثمان کانوا ینھون عن القراءۃ خلف الامام (عمدۃ القاری ج۳ ص۶۶، اعلاء السنن ج۴ ص۴۴)	حضرات ابو بکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ قرات خلف الامام سے منع کرتے تھے۔

حافظ ابو عمرو بن عبدالبر مالکی لکھتے ہیں۔

ثبت عن علی و سعد و زید	حضرت علیؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت زیدؓ

بن ثابت انه قال لا قراءة مع الامام لا فیما اسر ولا فیما جهر (الجوہر النقی ج ۲ صـ۱۶۹)	بن ثابت سے یہ ثابت ہے کہ امام کے ساتھ نہ جہری نمازوں میں قرات ہے نہ سری نمازوں میں۔

عبداللہ رضی بن عباس کا فیصلہ

طحاوی نے ابو جمرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے سوال کیا۔

اقرأ والامام بین یدی۔ قال لا۔ (طحاوی ج ۱ صـ۱۲۹، الجوہر النقی ج ۲ صـ۱۶۷)	کیا جب میرے آگے امام ہو تو میں قرات کروں۔ انھوں نے فرمایا نہیں۔

نیز طحاوی نے عکرمہ سے روایت کیا ہے۔ کہ کسی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا۔ کہ کچھ لوگ ظہر وعصر میں قرات کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا۔

لوکان لی علیهم سبیل لقلعت السنتهم ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قرأ فکانت قراءته لنا قراءةً وسکوته لنا سکوتاً۔ (طحاوی ج ۱ صـ۱۲۱)	اگر مجھے لوگوں پر طاقت حاصل ہوتی تو میں ان کی زبانیں اکھاڑ لیتا جو امام کے پیچھے قرات کرتے ہوں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرات فرماتے۔ آپ کی قرات ہماری قرات سمجھی جاتی۔ اور آپ کی خاموشی ہماری خاموشی۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی رائے

بیہقی نے ابو صالح ذکوان سے روایت کیا ہے۔ وہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ناقل ہیں۔

انهما کانا یأمران بالقراءة وراء الامام اذا لم یجهر۔ (سنن الکبری ج ۲ صـ۱۷۱)	یہ دونوں حضرات سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرات کا حکم دیتے تھے۔

بیہقی کی دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔

انهما كان ايامران بالقراءة خلف الامام فى الظهر والعصر فى الركعتين الاولیين بفاتحة الكتاب وشئ من القرأت و كانت عائشة تقرأ فى الاخريين بفاتحة الكتاب. (سنن الكبرى ج ۲ ص ۱۷۱)	حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کا کچھ اور حصہ پڑھنے کا حکم دیتے۔ اور حضرت عائشہؓ آخری دو رکعتوں میں بھی سورت فاتحہ پڑھتیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت کے قائل تھے، نہ کہ جہری نمازوں میں کیونکہ خود ابوہریرہؓ کی حدیث مسلم کے حوالے سے گذرچکی ہے کہ صحابہ نے جہری نمازوں میں حضورؐ کے پیچھے قرارت ترک کردی تھی۔ ایسی صورت میں یہ قطعاً ممکن نہیں کہ ابوہریرہؓ ہر نمازمیں امام کے پیچھے قرارت کرتے ہوں۔ اور اگر اسے بالفرض تسلیم بھی کرلیا جائے تو غیر مقلدین کو ابوہریرہؓ اور عائشہؓ کے عمل پیش کرنے میں کوئی فائدہ نہیں کیونکہ یہ دونوں صحابہ سورت فاتحہ کے علاوہ سورت بھی پڑھا کرتے تھے۔ جس کے غیر مقلدین قائل نہیں۔ ایسی صورت میں ان ہر دو حضرات کا عمل پیش کرکے اس سے استدلال کرنا ایک صریح دھوکہ ہے۔

پھر حضرت عائشہؓ چاروں رکعت میں قرارت فرمائیں جبکہ حضرت ابوہریرہؓ صرف دو رکعتوں میں قرارت کرتے۔

امام ابن قدامہ نے متعدد سندات کے ذریعہ حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابوسعیدؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عقبہ بن عامر حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ اور حضرت حذیفہؓ سے قرارت خلف الامام کی ممانعت کی روایات نقل کی ہیں۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۵۶۳)

حافظ ابن عبدالبر مالکی نے حضرت علیؓ، حضرت سعد اور حضرت زید بن ثابتؓ کے نام نقل کئے ہیں۔ جبکہ بخاری نے جزء القرات میں یہ تسلیم کیا ہے کہ ابن مسعودؓ

ابن عمرؓ، ابوالدرداءؓ، زید بن ثابتؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور حذیفہ امام کے پیچھے قراءت کے قائل نہ تھے (جزء القراءت ص۱۳۰)

علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی ذکر کیا ہے (عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۳ ص۶۷)

علامہ عینی اور ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ امام کے پیچھے قراءت کی ممانعت کا ثبوت ان صحابہ سے ملتا ہے (عمدۃ القاری ج ۳ ص۶۷، شرح نقایہ ج ۱ ص۸۰)

حتیٰ کہ امام عامر شعبی جو مشہور تابعی ہیں وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں۔

ادرکت سبعین بدریا کلهم یمنعون المقتدی عن القراءة خلف الامام (روح المعانی ج۹ ص۱۳۵)

میں نے ستر بدری صحابہ کو دیکھا کہ وہ مقتدی کو قراءت خلف الامام سے منع کیا کرتے تھے۔

تابعین اور تبع تابعین کے فیصلے

علقمہ بن قیس (م۶۲ھ) کا فیصلہ۔ امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں۔

ما قرأ علقمة بن قیس قط فیما یجهر فیه ولا الرکعتین الاخرین ام القرآن ولا غیرها خلف الامام (تعلیق الحسن ج۱ ص۹۰)

علقمہ بن قیس امام کے پیچھے نہ جہری نمازوں میں قراءت کرتے اور نہ سری نمازوں میں اور نہ آخری رکعتوں میں۔ نہ سورت فاتحہ اور نہ کوئی دوسری سورت۔

عمرو بن میمون المکی (م۷۴ھ)

امام ابوحنیفہ نے علقمہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ فاتحہ خلف الامام کے سختی سے مخالف تھے اور فرماتے تھے کہ جو شخص امام کے پیچھے قراءت کرے اس کے منہ میں پتھر بھر دو۔ (کتاب الآثار لابی یوسف ص۲۹)

ابوبکر بن ابی شیبہ نے مالک بن ابی عامر سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہؓ بن مسعود کے اصحاب اور تلامذہ سے دریافت کیا جن میں خاص طور پر عمرو بن المیمون المکی قابل ذکر ہیں کہ امام کے پیچھے قرارت کی جائے یا نہیں سب نے جواب دیا۔

لا یقرأ خلف الامام۔ (تعلیق الحسن ص۱۴۶)	امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے۔

اسود بن یزید۔ ۷۵ھ۔

ابوبکر بن شیبہ نے ابراہیم نخعی کے ذریعہ اسود سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

لان اعض جمرۃ احب الی من ان اقرأ خلف الامام اعلم انہ یقرأ۔	جبکہ میں جانتا ہوں کہ امام قرارت کر رہا ہے تو میں امام کے پیچھے قرارت کرنے سے انگارا ہاتھ میں لینا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

(آثار السنن ج۱ ص۱۰۹)

نیز ابوبکر بن ابی شیبہ نے وبرہ سے روایت کیا وہ کہتے ہیں۔ اسود بن یزید فرمایا کرتے تھے۔

وددت ان الذی یقرأ خلف الامام ملئ فوہ ترابا۔	میں یہ پسند کرتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرے اس کے منہ میں مٹی بھر دی جائے۔

عبدالرزاق بن ہمام نے بھی نہایت اعلیٰ سند سے اسود کے یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔

سوید بن غفلہ۔ ۸۱ھ۔

ابوبکر بن ابی شیبہ نے ولید بن قیس سے روایت کیا ہے کہ میں نے سوید بن غفلہ سے سوال کیا۔

اقرأ خلف الامام فی الظهر و العصر قال لا (تعلیق الحسن ج۲ ص۱۶۹)	کیا میں ظہر وعصر میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔ انھوں نے فرمایا نہیں۔

نافع بن جبیر۔ ۹۳ھ۔

امام مالک رحمہ اللہ نے نافع بن جبیر کے بارے میں روایت کیا ہے۔

کان یقرأ خلف الامام فیما لا یجهر فیہ الامام (موطا امام مالک ص۲۹)	نافع ان نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرتے جن میں بلند آواز سے قرأت نہیں کی جاتی۔

عروہ بن زبیر۔ ۹۴ھ۔

امام مالک نے ہشام بن عروہ سے روایت کیا ہے کہ میرے والد عروہ

یقرأ خلف الامام اذا لم یجهر فیہ الامام بالقرأۃ۔ (موطا ص۲۹، کتاب القرأت ص۱۰)	جب امام جہر سے قرأت نہ کرتا ہو تو وہ امام کے پیچھے قرأت کرتے۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر ۱۰۱ھ۔

امام مالک نے یحییٰ بن سعید اور ربیعۃ الرائے سے قاسم کے بارے میں نقل کیا ہے۔

کان یقرأ خلف الامام فیما لا یجهر فیہ الامام بالقراءۃ (موطا ص۲۹)	جن میں امام جہر سے قرأت نہیں کرتا ان میں یہ دونوں حضرات قرأت کرتے۔

امام ابوحنیفہ نے ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں اس پر تو متفق تھے کہ جہری نمازوں میں قطعاً قرأت نہ کی جائے۔ ہاں سعید سری نمازوں میں قرأت کے قائل تھے۔ جب کہ ابراہیم اس کے منکر تھے۔ (کتاب الآثار لابی یوسف ص۲۳)

یہ امر ذہن نشین رہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کے دور میں عبادۃ رضی اللہ عنہ بن صامت کے علاوہ کوئی شخص اس کا قائل نہ تھا کہ امام کے پیچھے ہر نماز اور ہر رکعت میں قرأت کی جائے۔ بلکہ اکثر حضرات تو قرأت خلف الامام سے مطلقاً منع کرتے تھے۔ اور جو حضرات قرأت خلف الامام کے قائل تھے وہ بھی صرف سری نمازوں میں نہ کہ جہری نمازوں میں۔ اور پھر ان میں بھی دو گروہ تھے۔ ایک گروہ تو سری نمازوں میں قرأت

خلف الامام کو واجب سمجھتا تھا جیسے امام مالک اور دوسرا گروہ صرف جواز کا قائل تھا۔ جیسے امام احمد بن حنبل اور امام اوزاعی وغیرہ۔ الغرض یہ تمام حضرات جہری نمازوں میں تو مطلقاً منع کے قائل تھے۔ بخاری اور بیہقی وغیرہ نے جو ان کے اقوال سے استدلال کر کے جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کو جائز قرار دیا ہے وہ صریحاً دھوکا ہے۔ حتیٰ کہ امام بخاری نے جزء القراۃ میں عروہ، قاسم بن محمد اور نافع بن جبیر وغیرہ کے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے یہ صریح مغالطہ ہے۔ جیسا کہ ان حضرات کا عمل امام مالک کی روایت سے اوپر گذر چکا ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اہل کوفہ میں سے کوئی شخص بھی قرات خلف الامام کا قائل نہیں ہے دیگر شہروں کے علماء میں یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے مثال کے طور پر مدینہ منورہ میں ابوہریرہؓ، عائشہؓ، قاسمؒ اور عروہ وغیرہ سری نمازوں میں قرات کے قائل تھے۔ لیکن عبداللہ بن عمرؓ، عمر بن الخطابؓ جابر بن عبداللہؓ، زید بن ثابتؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ اور تابعین میں سعید بن المسیب وغیرہ مطلقاً قرات کے قائل نہ تھے۔ حاصل کلام یہ کہ اختلاف صرف سری نمازوں میں ہے۔ نہ کہ جہری نمازوں میں۔ ان میں عدم قرات پر شافعی کے آنے تک سب کا اجماع رہا۔ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ جہری نمازوں میں بھی قرات کے قائل ہوئے۔ جیسا کہ شوافع کا مذہب ہے۔ لیکن امام ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی بھی جہری نمازوں میں قرات کے قطعاً قائل نہ تھے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

سعید بن المسیب ۹۴ھ

ابوبکر بن ابی شیبہ نے سعید بن المسیب المدنی سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔

انصت للامام۔	امام کے لیے خاموش رہو۔

اس کی سند کے تمام روات بخاری و مسلم کے روات ہیں۔ اور تمام کے تمام ائمۂ وقت ہیں جن سے صحیح بخاری میں سیکڑوں احادیث مروی ہیں یعنی وکیع بن الجراح، ہشام دستوائی اور قتادہ بن دعامہ۔ ان میں سے وکیع کوفی اور بقیہ دونوں حضرات بصری ہیں۔ اس سے اہل بصرہ کے مسلک کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے۔

امام التفسیر سعید بن جبیر ۹۴ھ

ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابوبشر سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے سعید بن جبیر سے قرات خلف الامام کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے فرمایا۔

لیس خلف الامام قراءۃ۔ (آثار السنن ج۱ ص۱۰۹)	امام کے پیچھے قرات نہیں۔

ابراہیم نخعی ۹۶ھ

ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا۔

ما احدثوا القراءۃ خلف الامام وکانوا لا یقرءون۔ (الجوہر النقی ج۲ ص۱۶۹)	لوگوں نے امام کے پیچھے قرات کی بدعت جاری کی ہے۔ اور صحابۂ کرام قرات نہ کرتے تھے۔

ابراہیم نخعی کا یہ قول شمس الدین قدامہ حنبلی۔ نے بھی نقل کیا ہے (شرح مقنع ج۲ ص۱۲)
ابن قدامہ تو یہاں تک فرماتے ہیں قرات خلف الامام کی بدعت سب سے پہلے مختار کذاب رافضی کے زمانہ میں جاری ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگوں کو دن کی نمازیں تو پڑھاتا تھا لیکن رات کی نمازیں نہ پڑھاتا تھا۔ اور لوگوں کو مجبوراً اس کے پیچھے نمازیں پڑھنی پڑتی تھیں اور چونکہ وہ مدعی نبوت تھا اس لئے لوگوں نے امام کے پیچھے اس خیال سے قرات شروع کردی کہ شاید اس طرح ہماری نمازیں ہوجائیں۔ (مغنی ابن قدامہ ج۱ ص۶۰۶)

گویا کہ غیر مقلدین جو دوسروں کو دعوت سنت دیتے ہیں وہ خود بدعتی اور رافضی نکلے۔ جیسا کہ آمین بالجہر، بسم اللہ بالجہر اور قنوت بعد الرکوع یہ بھی بدعات ہیں جو دور صحابہ کے بعد جاری ہوئیں۔

امام اوزاعی دمشقی ۱۵۷ھ

یہ اپنے دور کے مشہور فقیہ ہیں اور ایک عرصہ دراز تک ان کا مسلک بھی جاری رہا۔ ان کے بارے میں ابن قدامہ حنبلی نے تو یہ دعوے کیا ہے کہ وہ مطلقاً امام کے پیچھے قرارت کے قائل نہ تھے لیکن امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ یہ سری نمازوں میں بطور استحباب قرارت خلف الامام کے قائل تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

ومذهب طائفة كالاوزاعی وغيره من الشاميين يقرأها استحبابا وهواختيار جدنا۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ ص۱۴۶)	اہل شام میں سے ایک جماعت کا مذہب جیسے اوزاعی وغیرہ کا یہ ہے کہ وہ سری نمازوں میں قرارت کو مستحب سمجھتے تھے اور یہی ہمارے دادا کا مذہب تھا۔

امام سفیان ثوری ۱۶۱ھ بھی سری وجہری کسی نماز میں امام کے پیچھے قرارت کے قائل نہ تھے۔ (معالم التنزیل جلد ۳ ص۱۲۶ - تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۵۷)

امام لیث بن سعد ۱۷۵ھ بھی قرارت خلف الامام کے قائل نہ تھے جیساکہ ابن قدامہ نے المغنی میں بیان کیا ہے۔

امام مالک بن انس ۱۷۹ھ سری نمازوں میں قرارت کے قائل تھے اور جہری نمازوں میں ترک قرارت کے قائل تھے۔ جیساکہ خود موطا میں انھوں نے اس کی صراحت کی ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک ۱۸۱ھ - بخاری نے جزء القرارت میں عبداللہ بن مسعود کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام کے پیچھے قرارت نہ کیا کرو۔ اور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن المبارک فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت نہیں کیونکہ خاموشی کا سوال اسی وقت پیدا ہوتا ہے (جزء القراءۃ ص۸) رہا سری نمازوں میں تو اس میں بھی ان کا مسلک ترک قرارت ہی ہے تفصیل کے لئے دیکھئے (معالم التنزیل ج ۳ ص۱۲۶، روح المعانی ج ۹ ص۱۳۵، تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۵۷) اور سیوطی نے تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ میں عبداللہ بن المبارک سے

نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جس مسئلہ پر ابو حنیفہ اور سفیان ثوری اتفاق کر لیں وہی میرا مسلک ہے۔ اور ترک قراءت خلف الامام میں یہ ہر دو حضرات متفق ہیں۔

امام عبداللہ بن وہب ۱۹۷ھ۔

امام ابن وہب کا مسلک بھی ترک قراءت خلف الامام ہے (فصل الخطاب ص) بلکہ علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ مالکیہ میں سے عبداللہ بن وہب اور اشہب وغیرہ سری نمازوں میں بھی قراءت کے قائل نہ تھے۔

امام سفیان بن عیینہ ۱۹۸ھ۔

ابوداؤد اپنی سنن میں حضرت عبادۃ بن الصامت کی مشہور حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعدا سفیان بن عیینہ سے روایت کر کے کہتے ہیں۔

قال سفیان بن عیینۃ لمن یصلی وحدہٗ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۱۹)	سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھے۔

امام احمد بن حنبل ۲۴۱ھ۔ امام ترمذی نے امام احمد کے بارے میں تصریح کی ہے۔

واما احمد بن حنبلٍ فقال معنیٰ قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہٗ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ حیث قال من صلّی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا وراء الامام قال احمد فھٰذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلّم تاول قول النبی صلے اللہ	امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو فاتحہ کی قراءت نہ کرے یہ حکم تنہا شخص کے لئے ہے۔ اور انہوں نے حضرت جابرؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں یہ فرمان ہے کہ جس شخص نے ایک رکعت نماز بھی ایسی پڑھی جس میں سورت فاتحہ نہ پڑھی ہو۔ اس نے نماز نہیں پڑھی مگر امام کے پیچھے نہ پڑھے۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے خود یہ

علیه وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب ان هٰذا اذا کان وحدہٗ۔ (ترمذی جلد ا ص۷۵)

بیان کردیا ہے کہ اس حدیث کا کہ نماز فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی مقصد یہ ہے کہ جب کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔

امام اسحٰق بن راہویہ ۲۳۶ھ ۔ امام بغوی، علامہ آلوسی اور مبارک پوری جو غیر مقلد ہیں لکھتے ہیں کہ امام اسحٰق بن راہویہ جہری نمازوں میں قرارت کے قائل نہ تھے۔

(معالم التنزیل ج ۳ ص۲۲۵، روح المعانی ج ۹ ص۱۳۵، تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص۲۵۷)

جن حضرات کے اسمارِ گرامی سطور بالا میں ذکر کئے گئے ہیں یہ تمام حضرات مشہور محدثین ہیں جن کی روایات کتب احادیث میں بھری ہوئی ہیں۔ اور اتفاق سے ان میں سے ایک شخص بھی حنفی نہیں۔ اور احناف کے نام اسی لئے ہم نے ذکر نہیں کئے تاکہ غیر مقلد یوں یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ لوگ چونکہ حنفی ہیں اس لئے ان کا قول قابل اعتبار نہیں۔

امام ابن شہاب زہری ۱۲۴ھ ۔ بھی جہری نمازوں میں قرارت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ (کتاب القراءۃ ص۴۷، مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص۶۰۹، شرح مقنع ج ۲ ص۱۱)

موفق الدین ابن قدامہ ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

وجملۃ ذٰلک ان القراءۃ غیر واجبۃ فیما جھر بہ الامام ولا فیما اسر فیہ نص علیہ احمد فی روایۃ الجماعۃ وبذٰلک قال الزھری والثوری وابن عیینۃ ومالک وابوحنیفۃ واسحاق بن راھویہ (مغنی ج ۱ ص۶۰۵)

خلاصہ کلام یہ کہ امام جہر سے قرارت کر رہا ہو یا آہستہ مقتدی پر قرارت واجب نہیں۔ امام احمد سے یہ بات ایک جماعت نے نقل کی ہے۔ یہی مذہب زہری، ثوری، ابن عیینہ، مالک، ابوحنیفہ اور اسحٰق بن راہویہ کا ہے۔

ایک اور مقام پر شمس الدین ۶۸۲ھ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں۔

ولا تجب القراءۃ علی المأموم وھٰذا قول اکثر اھل العلم

مقتدی پہ قرارت واجب نہیں ہے۔ اکثر اہلِ علم کا یہی مذہب ہے۔ اور یہ

وممن کان لایری القراءۃ خلف الامام علی وابن عباس وابن مسعود وزید بن ثابت وعقبۃ بن عامر وجابر وابن عمر و حذیفۃ بن الیمان، وبہ یقول الثوری وابن عیینۃ واصحاب الرائ ومالک، والزھری و الاسود وابراھیم وسعید بن جبیر وقال ابن سیرین لا اعلم من السنۃ القراءۃ خلف الامام۔

(شرح مقنع ج ۲ ص ۱۱)

لوگ امام کے پیچھے قرارت کے قائل نہیں۔ ان میں حضرت علیؓ، عبداللہؓ بن مسعود، زیدؓ بن ثابت، عقبہؓ بن عامر، جابرؓ، ابن عمر اور حذیفہؓ بن الیمان ہیں یہی مذہب ثوری، ابن عیینہ اور اصحاب الرائے (یعنی اصحاب ابی حنیفہ اور اہل کوفہ) کا ہے یہی مذہب مالک، زہری، اسود، ابراہیم اور سعید بن جبیر کا ہے۔ اور ابن سیرین کہتے ہیں میں امام کے پیچھے قرارت کو سنت نہیں سمجھتا۔

<u>عبدالقادر جیلانی کا فتویٰ ۵۶۱ھ</u>۔ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں۔

لو کان ماموما ینصت الی قراءۃ الامام ویفھمھا۔

(غنیۃ الطالبین ص ۴۴)

اگر مقتدی ہے تو امام کی قرارت کے لئے خاموش رہے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرے۔

<u>شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ۷۲۸ھ کا فیصلہ</u>۔ شیخ الاسلام ایک مقام پر فرماتے ہیں۔

والامر باستماع قراءۃ الامام والانصات لہ مذکور فی القران و فی السنۃ الصحیحۃ وھو اجماع الامۃ فیما زاد علی الفاتحۃ وھو قول جماھیر السلف من الصحابۃ فی

امام کی قرارت سننے اور خاموش رہنے کا حکم قرآن اور سنت صحیحہ میں مذکور ہے اور اسی پر اجماع ہے کہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرارت سننا فرض ہے اور تمام سلف صحابہ کا قول ہے کہ سورت فاتحہ ہو یا کوئی اور سورت

الفاتحة وغيرها وهو احد قول الشافعي واختاره طائفة من حذاق اصحابه كالرازي وابن محمد بن عبد السلام فان القراءة مع جهر الامام منكر مخالف للقرآن والسنة وما كان عليه عامة الصحابة۔
(تنوع العبادات ص۸۷)

اس کا سننا اور خاموش رہنا فرض ہے اور امام شافعی کا بھی قول یہی ہے۔ اور شوافع میں جو علم میں مہارت تامہ رکھتے ہیں انھوں نے اسی قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ رازی اور ابو محمد بن عبد السلام ان کا قول ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے ساتھ قرارت کرنے والا۔ قرآن و سنت اور اجماع صحابہ کا منکر ہے۔

گویا امام ابن تیمیہ کے نزدیک امام کے پیچھے قرارت نہ کرنے پر تمام صحابہ و تابعین اور تمام اسلاف کا اجماع ہے۔ اور خاص طور پر جو جہری نمازوں میں قرارت کرتا ہے وہ کتاب و سنت اور اجماع صحابہ کا منکر ہے۔ اور یہ خاموشی فرض ہے۔

امام ابن القیم ۷۵۱ھ کا فیصلہ۔ امام ابن القیم مسئلہ خلف الامام کی تحقیق میں ارشاد فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی پر سے سجدۂ سہو ساقط کر دیا ہے۔ بایں طور کہ امام کے پیچھے مقتدی کے بھولنے سے مقتدی پر سجدۂ سہو لازم نہ ہوگا۔ یعنی جب امام کی نماز صحیح ہو گئی تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوگی۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدی پر سورۂ فاتحہ کا پڑھنا بھی ساقط کر دیا ہے۔ کیونکہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے۔ یہی حال سترہ کا ہے۔ ابن قیم آگے فرماتے ہیں۔

فقراءة الامام وسترته قراءة لمن خلفه وسترة له۔
(کتاب الروح لابن القیم ص۱۶۶)

امام کی قرارت اور سترہ مقتدیوں کی بھی قرارت اور سترہ ہے۔

داؤد ظاہری کا فتویٰ۔ داؤد ظاہری جو فرقہ غیر مقلدین کے اصل بانی مبانی ہیں جن کے یہاں قیاس کا کوئی دخل نہیں اور صرف ظاہر حدیث پر فیصلہ کرتے ہیں۔

امام موفق الدین بن قدامہ حنبلی المتوفی ۶۲۰ھ فاتحہ خلف الامام پر بحث کرتے ہوئے ان کا قول نقل کرتے ہیں۔

وجملۃ ذلک ان القراءۃ غیر واجبۃ علی الماموم فیما جہر بہ الامام ولا فی ما اسر بہ نص علیہ احمد فی روایۃ الجماعۃ وبذلک قال الزہری والثوری وابن عیینۃ ومالک وابو حنیفۃ واسحاق وقال الشافعی وداود لعموم قولہ علیہ السلام لاصلاۃ لمن لا یقرأ بفاتحۃ الکتاب غیر انہ خص فی حال الجہر بالامر بالانصات ففیما عداہ یبقیٰ علی العموم۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۱ ص ۶۰۶)

حاصل کلام یہ کہ مقتدی پر قراءت واجب نہیں ہے خواہ امام جہر سے قراءت کر رہا ہو یا آہستہ۔ اسی پر امام احمد کا فیصلہ ہے جسے ایک جماعت نے ان سے روایت کیا ہے۔ زہری، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، مالک، ابو حنیفہ اور اسحاق بن راہویہ کا یہی قول ہے۔ صرف شافعی اور داؤد ظاہری اس حدیث "کہ اس شخص کی نماز نہیں جو سورت فاتحہ کی قراءت نہ کرے" کی عمومیت کے باعث اس کے قائل ہیں کہ خاموش رہنے کا حکم جہر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور بقیہ نمازوں میں یہ حدیث اپنے عموم پر باقی ہے۔

گویا غیر مقلدین کے اصل امام کا مسلک یہ ہے کہ جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام جائز نہیں۔

امام شافعی کی اصل رائے۔

مشہور تو یہ ہے کہ امام شافعی ہر نماز میں قراءت خلف الامام کے قائل ہیں۔ اور اسی پر اکثر شوافع کا عمل ہے۔ لیکن موفق بن قدامہ فرماتے ہیں کہ وہ جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ اور یہی امام ابن تیمیہ کا دعویٰ ہے جیسا کہ سطور بالا میں گذر چکا۔ اور شوافع میں سے ابو محمد بن عبد السلام اور رازی کا بھی یہی مسلک تھا۔ اور ان کا دعویٰ تھا کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت خلاف کتاب اللہ، خلاف

سنت رسول اللہ اور خلاف اجماع صحابہ ہے۔

سنت اور اجماع صحابہ کی مخالفت تو سطور بالا سے واضح ہو چکی ہے اور قرآن کی مخالفت انشاء اللہ آگے عرض کی جائے گی۔ یہاں تو صرف یہ عرض کرتا ہے کہ امام شافعی کا اصل مسلک کیا تھا۔ شوافع اس کے قائل ہیں کہ امام شافعی کے اس مسئلہ پر دو قول ہیں۔ قدیم قول تو یہ تھا کہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرات نہ کی جائے۔ اور جدید اور آخری قول یہ تھا کہ ہر نماز میں قرات کی جائے۔ اس لئے زیادہ موزوں طریقہ یہ ہے کہ خود امام شافعی کی کتابوں سے اس کا حل تلاش کیا جائے۔ امام شافعی اپنی کتاب الام۔ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ونحن نقول کل صلوٰۃ صلیت خلف الامام والامام یقرأ قراءۃ لا یسمع فیہا قرأ فیہا (کتاب الام ج ۷، ص۱۵۳)

ہم کہتے ہیں کہ ہر وہ نماز جو امام کے پیچھے پڑھی جائے اور جس میں امام قرات کرتا ہو لیکن قراءت سننے میں نہ آتی ہو تو مقتدی امام کے پیچھے قراءت کرے۔

یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ امام شافعی سری نمازوں میں قرات کے قائل ہیں۔ اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کو جائز نہیں سمجھتے۔ شوافع اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ امام الحرمین المتوفی ۴۷۸ھ نے کتاب الام کو امام شافعی کی قدیم کتاب قرار دیا ہے اس لئے یہ قول قدیم ہے جو دوسرے قول کی مخالفت کے باعث منسوخ ہو گیا۔ لیکن یہ دعویٰ کہ کتاب آلام قدیم کتاب ہے بالکل غلط ہے بلکہ یہ امام شافعی کی سب سے آخری کتاب ہے۔ حافظ ابن کثیر شافعی لکھتے ہیں۔

ثم انہ تحول منہا الی مصر فاقام بہا الی ان مات فی ہذہ السنۃ (۲۰۴ھ) وصنف بہا کتابہ الام وھو من کتبہ الجدیدۃ لانہا من روایۃ الربیع بن سلیمان

پھر شافعی بغداد سے ۱۹۹ھ میں مصر منتقل ہو گئے اور وفات تک وہیں مقیم رہے حتیٰ کہ اسی سن یعنی ۲۰۴ھ میں وفات پا گئے اور مصر ہی میں کتاب آلام تصنیف فرمائی اور وہ ان کی جدید کتابوں میں سے ہے۔ کیونکہ کتاب الام کے راوی ربیع بن سلیمان ہیں۔

وهو مصری وقد زعم امام الحرمین وغیرہ انہا من القدیم وھذا بعید وعجیب من مثلہ (البدایۃ والنہایۃ ج۱۰ ص۲۵۲)	اور وہ مصری ہیں۔ امام الحرمین وغیرہ نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ کتاب الام شافعی کی قدیم کتاب ہے۔ یہ ان جیسی ہستی سے بعید از عقل اور تعجب انگیز امر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔

ثم خرج الیٰ مصر وصنف بہا کتب الجدیدۃ کالام۔ (حسن المحاضرہ ج۱ ص۱۲۲)	پھر آپ مصر تشریف لے گئے۔ اور وہاں نئی کتابیں تصنیف فرمائیں جیسے کتاب الام۔

اس کے جواب کے لئے شوافع نے ایک اور مسئلہ چھیڑ دیا کہ امام شافعی کے تین شاگردوں میں سے کونسا شاگرد زیادہ معتبر اور اس کا قول زیادہ قابل وثوق ہے۔ یہ تین شاگرد۔ ربیع بن سلیمان المتوفی ۲۷۰ھ، یوسف بن یحییٰ البویطی المتوفی ۲۳۱ھ اور مزنی ہیں۔ شوافع نے اس مسئلہ میں مزنی کے قول کو اختیار کیا ہے۔ ان میں کس کا درجہ بڑھ کر ہے۔ اور کس کو کس پر فوقیت ہے تو امام خلیلی فرماتے ہیں۔

ربیع بن سلیمان ثقۃ متفق علیہ والمزنی مع جلالتہ استعان علی ما فاتہ من الشافعی بکتاب الربیع وقال مسلمۃ من کبار اصحاب الشافعی۔ (تہذیب التہذیب ج۳ ص۲۴۶)	ربیع بن سلیمان متفقہ طور پر ثقہ ہیں۔ اور مزنی نے اپنی جلالت شان کے باوجود ان باتوں کا جو انھوں نے شافعی سے نہیں سنی تھیں ربیع کی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ اکابر شوافع میں سے مسلمہ کا یہی قول ہے۔

اس عبارت سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ مزنی کو امام شافعی کے تمام مسائل کا علم نہ تھا۔ بلکہ ان سے کچھ مسائل چھوٹ بھی گئے تھے۔ اور ان مسائل کو مزنی نے ربیع بن سلیمان کی کتاب سے اخذ کیا۔ تو پھر کیا وجہ کہ مزنی پر تو اعتماد کیا جائے اور ربیع بن سلیمان جو اصل ہیں ان کو ترک کر دیا جائے۔ موطا احمد

بن مصطفیٰ المعروف بطاش کبری زادہ المتوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں۔

کالربیع بن سلیمان الثقۃ الثبت فیما یرویہ حتی رجحوا عند تعارض المزنی مع علو قدر المزنی علما ودینا وجلالۃ (مفتاح السعادۃ ومصباح السیادہ ج ۲ ص ۱۶۳)	ربیع بن سلیمان جو کچھ بھی روایت کرتے ہیں اس میں وہ ثقہ اور ثبت ہیں حتیٰ کہ شوافع نے ربیع کے ہر اس قول کو ترجیح دی ہے جس میں انھوں نے مزنی سے اختلاف کیا ہے اگرچہ مزنی علم و دین میں بڑی قدر و منزلت کے مالک ہیں۔

ابو الحسین فرماتے ہیں۔

البویطی کان یقول الربیع اثبت فی الشافعی منی۔ (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۶)	بویطی کہا کرتے تھے کہ شافعی کے اقوال میں ربیع مجھ سے زیادہ ثابت ہیں۔

ان تمام عبارات سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ امام شافعی کے شاگردوں میں جب اختلاف واقع ہو تو ترجیح ربیع بن سلیمان کے قول کو ہو گی لیکن اس مسئلہ میں شوافع نے الٹی منطق اختیار کی کہ مسئلہ قرأت خلف الامام میں مزنی کے قول کو ربیع بن سلیمان کے قول پر ترجیح دی۔ حالانکہ ربیع مصر میں امام شافعی کے ساتھ رہے نہ کہ مزنی۔ گویا کہ امام شافعی نے مصر پہنچکر اس مسئلہ سے رجوع کیا اور جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت سے منع کیا۔ تو یہ امام شافعی کا قول جدید ہوا۔ اسی کا دعویٰ امام ابن تیمیہ امام موفق الدین حنبلی، امام رازی شافعی، ابن کثیر شافعی، سیوطی شافعی اور ابو محمد بن عبد السلام الشافعی بھی کر رہے ہیں۔ تو اب ابن تیمیہ اور موفق الدین الحنبلی کا یہ دعویٰ کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت نہ کرنے پر سب کا اجماع ہے۔ حتیٰ کہ شافعی بھی اسی کے قائل ہیں کہ بالکل درست ہے۔ اور ان حضرات کے نزدیک جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنے والا کتاب و سنت اور اجماع صحابہ و تابعین کا منکر ہے۔ اس سلسلہ میں ان علماء کے اقوال پیش کرنا جو سری نمازوں میں قرأت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ امام مالک وغیرہ یہ بے سود ہے۔ اس لئے کہ غیر مقلدین جہریہ میں قرأت خلف الامام کے قائل ہیں۔ نہ کہ صرف سری نمازوں میں۔ جب وہ جہریہ

ہیں قراءت ترک کردیں تو اس وقت ہم سریہ پر گفتگو کریں اور ان علماء کے اقوال پیش کریں۔ یہ عجب منطق ہے کہ ان حضرات کے اقوال دلیل میں پیش کئے جاتے ہیں جنھیں مدعی خود قبول نہ کرتا ہو۔ اور نہ ان پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو۔

یہ ہمیں بھی تسلیم ہے کہ سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کتاب اللہ کے خلاف نہیں رہا سنت رسول تو ہم اس پر پہلے بحث کر چکے ہیں اور اس میں صحابہ کرام کا اختلاف بھی ہے۔

رہ گئی وہ مشہور حدیث جو غیر مقلدین حضرات اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں یعنی حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب۔

تو یہ تمام ائمہ اس کے منکر نہیں، بلکہ وہ اس کے قائل ہیں کہ یہ حکم منفرد کے لئے ہے مقتدی کے لئے ہرگز نہیں۔ کیونکہ اگر یہ حکم مقتدی کے لئے بھی تسلیم کیا جائے تو اس سے دو خامیاں لازم آئیں گی۔

۱۔ اول جہری نمازوں میں قرآن کی مخالفت لازم آئے گی۔

۲۔ گذشتہ تمام احادیث کا ترک بلکہ ان کی مخالفت لازم آئے گی۔

اور ایک خبر واحد کے ذریعہ اتنی احادیث مشہورہ کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔ جبکہ ان میں سے بعض احادیث متعدد سندات سے مروی ہیں۔ حالانکہ حدیث مذکورہ تین زمانوں تک خبر واحد رہی۔ کیونکہ اس حدیث کو صحابہ میں سے عبادہؓ کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ عبادہؓ سے محمود بن الربیع کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا اور محمود سے زہری کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔

پھر اسے روایت کرنے والے اس کے الفاظ میں بھی اختلاف کر رہے ہیں سفیان بن عیینہ نے زہری سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ نماز سورت فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی، لیکن معمر نے زہری سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

لَا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب فصاعدا (مسلم ج ۱، نسائی ج ۱)	نماز سورت فاتحہ اور کچھ اور قرآن کے بغیر نہیں ہوتی۔

اور غیر مقلدین سورت فاتحہ کے ساتھ مزید قرآن پڑھنے کے قائل نہیں۔ اور وہ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ سورت فاتحہ کے ساتھ دوسری سورت منفرد پڑھے گا۔ نہ کہ مقتدی۔

اس سے یہ امر خود بخود واضح ہوگیا کہ یہ حکم منفرد کے لئے ہے نہ کہ مقتدی کے لئے یہی بات حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرمارہے ہیں۔ اور یہی دعویٰ خود اس حدیث کے راوی امام زہری کا ہے۔ یعنی راوی حدیث خود اس حدیث کو عام تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور یہی دعویٰ امام سفیان ثوری، احمد بن حنبل اور اسحٰق بن راہویہ وغیرہ کا ہے۔

رہ گئی سفیان بن عیینہ کی روایت تو ان سے بھی متعدد روات نے ان الفاظ کی زیادت روایت کی ہے جیسا کہ قتیبہ بن سعید وغیرہ۔ تشریح کے لئے سنن ابی داؤد ملاحظہ فرمایئے۔ اور لطف یہ ہے کہ سفیان بن عیینہ بھی جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں۔ گویا اس حدیث کے اکثر راوی اسے منفرد کے لئے مخصوص سمجھتے ہیں۔ اگر اسے مقتدی اور منفرد دونوں کے لئے عام تصور کیا جائے گا تو یہ تعامل صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے خلاف ہوگا۔ جو حدیث کے عدم قبولیت کی دلیل ہے۔ یعنی اس صورت میں یہ ایک ایسی حدیث ہوگی جس پر کسی صحابی، تابعی اور تبع تابعی نے کلی طور پر کبھی عمل نہیں کیا۔ کیونکہ تمام صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اس پر تو اجماع ہے کہ جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام حرام ہے۔ اختلاف صرف سری نمازوں میں ہے۔ ایک گروہ اسے جائز تصور کرتا ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ وغیرہ۔ ایک گروہ اسے مستحسن تصور کرتا ہے جیسا کہ قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، امام مالک اور امام اوزاعی وغیرہ اور ایک بڑا گروہ اسے بھی ناجائز سمجھتا ہے۔ جیسے حضرات عبداللہ بن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابو الدرداءؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ، عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، علیؓ بن ابی طالب، امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری وغیرہ۔

گویا عبادہ کی حدیث جہاں خبر واحد ہے وہاں وہ قرآن، احادیث مشہورہ اور اجماع امت کے بھی خلاف ہے۔ اور اس پر تمام فقہاء و محدثین کا اتفاق ہے کہ جب کوئی حدیث قرآن کے معارض ہوگی یا تو اس کی تاویل کی جائے گی یا اسے رد کردیا جائے گا۔

رہا صرفیوں کا یہ قاعدہ کہ لا نفی جنس کے لئے آتا ہے تو یہ کوئی کلیہ نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات لا نفی کمال کے لئے آتا ہے جیسا کہ حدیث رسول ہے۔

لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن۔	کوئی زانی حالت ایمان میں زنا نہیں کرتا اور کوئی چور حالتِ ایمان میں چوری نہیں کرتا۔

یا جیسا کہ۔

لا دین لمن لا امانۃ لہ	جس میں امانت نہ ہو اس کے پاس دین نہیں۔

ان احادیث کی رو سے آج تک کوئی اس کا قائل نہیں کہ زانی، چور اور خائن مومن باقی نہیں رہتا۔ اور وہ کافر بن جاتا ہے۔ بلکہ اس کے قائل ہیں کہ ان احادیث میں کمال ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ نہ کہ زوال ایمان کی۔ یہ مسلک تو خوارج کا ہے کہ لا ہمیشہ نفی جنس کے لئے آتا ہے لیکن اگر

لا حول ولا قوۃ الا باللہ	اللہ کے علاوہ کسی میں طاقت وقوت نہیں۔

پر ان کی نظر ہوتی تو شاید انہیں بھی عقل آجاتی، کیونکہ اس کلمہ میں مطلقاً نفی قوت مراد نہیں، ورنہ ہزارہا اقسام کی قوتیں اللہ تعالےٰ نے انسان اور جانوروں کو بھی ودیعت فرمائی ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ

کلام اللہ کے سلسلہ میں اول چند معروضات پیش کرنی ہیں۔

ا۔ اسلام میں سب سے اہم اور قطعی دلیل کتاب اللہ ہے۔ اور اس پر تمام صحابہ و تابعین کا اتفاق ہے کہ جب کسی کا کوئی قول یا کوئی حدیث کلام اللہ کے معارض ہو تو یا تو اس حدیث کی تاویل کی جائے گی یا اُسے رد کردیا جائے گا۔

اور کتب احادیث میں ایسی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ صحابۂ کرام نے حدیث رسول کو کتاب اللہ کے مخالف ہونے کے باعث رد کر دیا۔ ذیل میں ہم اس کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مشہور حدیث ہے۔

ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ	مردے پر رونے سے مردے کو عذاب دیا جاتا ہے۔

یہ متعدد صحابہ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہؓ نے اسے مخالف قرآن تصور کرتے ہوئے رد فرما دیا۔ اور استدلال میں یہ آیت قرآنی پیش کی۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى	کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

۲۔ مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے مقتولین بدر کو ایک گڑھے میں ڈال کر فرمایا۔ کہ آج تم نے اس بات کو حق پالیا ہوگا جو میں کہتا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ بھی سنتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، لیکن حضرت عائشہؓ نے اسے رد کر دیا۔ اور دلیل میں یہ آیت قرآنیہ پیش کی۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔	یقیناً آپ نہ مُردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ قبر میں دفن شدہ لوگوں کو۔

۳۔ مسروق تابعی نے جب حضرت عائشہؓ کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا تو انھوں نے یہ آیت تلاوت کر کے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔	بینائیاں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ تمام بینائیوں کا ادراک کر سکتا ہے۔

اسے رد فرمایا۔

۴۔ فاطمہؓ بنت قیس نے جب یہ بیان کیا کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دیدی تھی۔ اور حضورؐ نے مجھے نفقہ اور سکنیٰ نہیں دلوایا۔ تو حضرت عمرؓ نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے پر کتاب اللہ کو ترک نہیں کر سکتے۔ یعنی

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَلَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ۔

تم جہاں رہتے ہو انھیں اسی جگہ پر سکونت پذیر کرو اور انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو۔

۲- یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ تلاوت کلام اللہ کے کچھ نہ کچھ آداب و حقوق ہیں اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ

وہ کلام اللہ کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔

بعض حقوق کا تعلق قاری سے ہے۔ اور بعض حقوق سامع سے متعلق ہیں۔ یہاں غور طلب یہی امر ہے کہ سننے والے سے کون سے حقوق متعلق ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں کلام اللہ میں متعدد آیات ملتی ہیں۔

۱۔ سب سے اول کفار و مشرکین کے ایک منصوبہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد انھیں عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے۔ ارشاد ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔

اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو نہ سنو۔ اور شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ۔ ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے۔ اور انھیں ان کے برے اعمال کی جزا دیں گے۔

یعنی کلام اللہ کو نہ سننے اور شور مچانے کی سزا یہ ہے کہ انھیں سخت عذاب دیا جائے گا۔ گویا کہ کلام اللہ کا ادب یہ ہے کہ جب اس کی تلاوت ہو تو خاموش رہنا چاہئے اور اسے غور سے سُننا چاہئے۔ ورنہ وہ شخص اس تہدید میں داخل ہوگا۔ حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

هٰذا حال هؤلاء الجهلة من الكفار ومن سلك مسلكهم

یہ ان جاہل کفار کا حال ہے اور ہر اس شخص کا یہی حال ہوگا جو قرآن سننے کے

عند سماع القرآن وقد امر الله عباده المؤمنين بخلاف ذلك فقال وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۹۴)۔

وقت ان کے طریقۂ کار پر چلے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو اس کے خلاف حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے کہ جب قرآن کی قرارت کی جائے اسے غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

حافظ صاحب کی عبارت سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ قرارت قرآن کے وقت مومنوں کا کام دلجمعی کے ساتھ اسے سننا ہے۔ اور کافر یا وہ لوگ جو ان کافروں کے پیروکار ہیں وہ اس ضابطہ کو ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

جب قرآن کا سننا لازم ہوا تو اگر کوئی شخص اس وقت قرارت کرتا ہے جب کہ کلام اللہ بالجہر پڑھا جا رہا ہو، تو وہ حکم قرآنی کا مخالف ہے۔ اور اس نے کفار کا مسلک اختیار کر رکھا ہے، کیونکہ مسلمانوں کو تو سننے کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ خود قرارت کا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ و تابعین اور تمام ائمہ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرارت جائز نہیں۔

۲۔ صحابۂ کرام کے سامنے جب کلام اللہ کی تلاوت کی جاتی تو اللہ تعالےٰ نے ان کا حال بیان کیا ہے۔ ارشاد ہے۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ۔

اور جب یہ صحابہ اس قرآن کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ حق کو پہچاننے کی وجہ سے ان کے آنسو بہتے ہوں گے۔

یہاں آنسو بہنے کی وجہ سننا بیان کی گئی ہے نہ کہ خود قرارت کرنا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قرارت کو غور و فکر سے سننا چاہئے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اس سننے کی تعریف آخر میں ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

فَأَتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

تو اللہ تعالےٰ انھیں دنیا اور آخرت کا

وَحُسْنَ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝	اچھا ثواب عطا فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

گویا دنیا و آخرت کا ثواب قرآن سننے پر موقوف فرمایا۔ پھر سننے والوں کو نیک کا لقب عطا فرمایا۔ اور اپنی محبت کا اعلان کیا۔ اور جو شخص تلاوت کلام اللہ کے وقت قرآن نہیں سنتا نہ تو اس کے لیے یہ اجر ہے، نہ وہ نیک ہے اور نہ وہ اللہ کی محبت کا مستحق ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جنات آسمانوں تک جاتے اور فرشتوں کی گفتگو سن کر آتے۔ اور اپنے انسانی چیلوں کو آئندہ کی خبریں بتاتے۔ لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث کئے گئے تو یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد جو بھی آسمان کے قریب جاتا تو اس پر شہاب ثاقب چھوڑے جاتے۔ اللہ تعالیٰ یہ حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لَا یَسَّمَّعُوْنَ اِلَی الْمَلَاِ الْاَعْلٰی وَ یُقْذَفُوْنَ مِنْ کُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ (القرآن ۳۷: ۸-۱۰)	ملأ اعلیٰ کی جانب کان نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر طرف سے مار پھینک ہوتی ہے۔ انھیں بھگانے کے لیے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ مگر جو ایک آدھ بار اچک لے تو روشن انگارا اس کے پیچھے لگتا ہے۔

جب یہ آسمانی خبروں کا سلسلہ بند ہوا اور شہاب ثاقب مارے جانے لگے تو جنات میں کھلبلی مچ گئی۔ اور وہ یہ سمجھ گئے کہ کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے جس کے باعث آسمانی خبروں پر پہرے بٹھلائے گئے ہیں۔ وہ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے چاروں طرف پھیل گئے۔ اتفاق سے ان کا گذر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہوا۔ اس وقت آپ چند صحابہ کے ساتھ صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ وہ قرآن سن کر ادھر متوجہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ	ہم نے جب آپ کی جانب جنات کی ایک جماعت کا رخ موڑ دیا جو قرآن سننے

الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۔	کی کوشش کر رہے تھے، جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوئے تو ایک دوسرے سے بولے خاموش رہو جب قرآن ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کے پاس ڈرانے کے لئے لوٹے ۔

اللہ تعالےٰ نے اس آیت کریمہ میں جنات کی تعریف بیان کی ہے کہ انھوں نے قرآن نہ صرف توجہ کے ساتھ سُنا بلکہ دوسروں کو بھی خاموش رہنے اور سننے کی تلقین کی ۔ اور مسلمانوں کو یہی دستور اپنا لینا چاہیئے کہ تلاوت قرآن کے وقت خود بھی خاموش رہیں، اور دوسروں کو بھی خاموش رہنے کی تلقین کریں ۔

گویا کہ جنات جواب تک کافر تھے ان میں اتنا ادب تھا کہ وہ کلام اللہ کی تعظیم میں خاموش ہو گئے تھے اور اسے غور سے سنا جو ان کی ہدایت کا سبب بنا ۔

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ	آپ فرما دیجئے کہ میرے پاس وحی کی گئی ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے قرآن پر کان لگائے اور بولے ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو ہدایت کی دعوت دیتا ہے ۔ ہم اس پر ایمان لے آئے ۔

گویا ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہوا کہ جب بھی تلاوت کلام اللہ ہو اسے غور سے سنیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں ۔ بصورت دیگر وہ ان کافر جنات سے بھی بدتر ہوں گے ۔

اصل آیات پیش کرنے سے قبل ایک امر واضح کر دینا ضروری ہے ۔ اور وہ یہ ہے کہ عربی میں سماع اور استماع میں بہت بڑا فرق ہے ۔ سماع کے معنی مطلق سننا ہیں ۔ اور استماع کے معنی ہیں غور سے سننا ۔ جس کے لئے خاموشی لازم ہے ۔ لغت کے امام ثعلب فرماتے ہیں ۔

قال ثعلب معناہ اذا قرأ الامام فاستمعوا الیٰ	ثعلب کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ جب امام قرارت کرے تو اس کی قرارت

قراءته ولا تتکلموا - (تاج العروس ص۵۹۱ ج۱۲)
کی طرف کان لگاؤ۔ اور کلام نہ کرو۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔

وَالْاِسْتِمَاعُ اَلْاِصْغَآءُ (مفردات ص۲۴۲)
استماع کے معنی ہیں کان لگانا۔

مختار الصحاح میں ہے۔

فَاسْتَمَعَ لَہٗ اَیْ اَصْغٰی (مختار الصحاح ص۲۹۲)
پس اس نے استماع کیا یعنی کان لگائے۔

منجد اور قاموس میں ہے۔

اِسْتَمَعَ لَہٗ وَاِلَیْہِ اَصْغٰی (منجد ص۳۶۲
منجد اور قاموس ج۳ ص۴۱)
اس کی طرف توجہ کی اور کان لگائے۔

امام نووی لکھتے ہیں۔

اَلْاِسْتِمَاعُ اَلْاِصْغَاءُ (شرح مسلم ج۱ ص۱۸۲)
استماع کے معنی کان لگانا ہیں۔

امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

لِاَنَّ السَّمَاعَ غَیْرٌ وَالْاِسْتِمَاعُ غَیْرٌ
(تفسیر کبیر ج۴ ص۵۰۴)
سماع اور شئے ہے اور استماع اور شئے ہے۔

نواب صدیق حسن خاں جو غیر مقلد ہیں لکھتے ہیں۔

ومعتبر استماع است نہ سماع پس
ہر کہ بانتہاء وقوف واقف شد۔ و
نمی شنود یا اصم است یا صوت
خطیب خفی است وے ہمچو سامع
است۔ (بدور الاہلہ ص۷۲)

معتبر استماع ہے سماع نہیں۔ ہر وہ شخص
جو آخر صف میں کھڑا ہوا اور سن نہ سکتا
ہو یا خطیب کی آواز آہستہ ہو تو وہ
سامع ہوگا، نہ کہ مستمع۔

یعنی کان میں آواز پڑنے کا نام سماع ہے اور استماع کے معنی ہیں غور سے سننا۔ اور حکم استماع کا ہے نہ کہ سماع کا۔ اور استماع ہی کا ذکر ان تینوں آیات میں کیا گیا ہے۔ جس کے لئے سکوت وانصات لازمی ہے۔ اب انصات کے معنی پر غور کیجئے۔ امام بیہقی لکھتے ہیں۔

اذ لا فرق بین السکوت و الانصات عند العرب۔ (کتاب القراءت ص۴۵)	اہل عرب کے نزدیک سکوت اور انصات میں کوئی فرق نہیں۔

انصات کے معنی۔

اہل عرب کے نزدیک سکوت اور انصات میں کوئی فرق نہیں۔ مختار الصحاح میں ہے۔

الانصات السکوت و الاستماع ص۴۵	انصات کے معنی خاموش رہنا اور غور سے سننا ہیں۔

امام ابوبکر جصاص رازی فرماتے ہیں۔

قد بینا دلالۃ الآیۃ علی وجوب الانصات عند قراءۃ الامام فی حال الجهر والاخفاء وقال اهل اللغۃ الانصات الامساک عن الکلام والسکوت للاستماع القراءۃ ولا یکون القاری منصتا ولا ساکتا بحال وذلک لان السکوت ضد الکلام وهو تسکین الآلۃ عن التحریک بالکلام۔ (احکام القرآن ج۳ ص۴۹)	ہم نے تبیان کردیا ہے کہ آیت قرآنیہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ جب امام قرارت کرتا ہو خاموش رہنا واجب ہے۔ خواہ بلند آواز سے قرارت کر رہا ہو یا آہستہ۔ کیونکہ اہل لغت کہتے ہیں انصات کے معنی کلام سے رک جانا اور قرارت سننے کے لئے رک جانا۔ اور کوئی قرارت کرنے والا کسی حال میں ساکت اور خاموش نہیں کہلایا جا سکتا کیونکہ سکوت کلام کی ضد ہے۔ اور سکوت کے معنی ہیں زبان کو حرکت سے روکنا جس سے وہ کلام نہ کر سکے۔

م۔ شروع شروع میں جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن لے کر آئے۔ ان کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی دل میں پڑھتے جاتے تاکہ جلد اسے یاد کرلیں۔ اور اپنے سینے میں محفوظ فرمالیں۔ مبادا حضرت جبرائیلؑ چلے جائیں اور وحی پوری طرح محفوظ نہ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح سننے اور سمجھنے میں دقت پیش آتی تھی۔ ارشاد ہوا کہ آپ ہمہ تن متوجہ ہو کر سنیں اور زبان مبارک کو حرکت نہ دیں۔ قرآن کریم کا حرف بحرف جمع کرنا اور آپ سے پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ	ارشاد ہے۔ اپنی زبان کو جلدی کے باعث حرکت نہ دیجئے، کیونکہ اس کا جمع کرنا اور اس کا قراءت کرانا ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم قراءت کریں تو آپ اس قراءت کی اتباع کیجئے پھر اس قرآن کا بیان بھی ہم پر لازم ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم و تدریس اور تلاوت کے وقت سامعین کو خاموشی اور توجہ کے ساتھ قراءت سننی چاہیئے۔ کیونکہ قرآن کریم کی تعظیم و تکریم اور اس کے آداب کا یہی طریقہ ہے۔ حافظ ابن کثیر شافعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

هٰذا تعليم من الله عزّ وجلّ لرسوله صلى الله عليه وسلم فى كيفية تلقيه الوحى من الملك كانه كان يبادر الى اخذه ويسابق الملك فى قراءته فامره الله عز وجل اذا جاء الملك بالوحى ان يستمع له وتكفل الله عز وجل ان يجمعهٗ فى صورته (تفسير ابن كثير ج ۴ ص ۴۴۹)	یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ فرشتے سے حصول وحی کی کیفیت کیا ہونی چاہیئے؟ کیونکہ آپ اس کے حصول میں جلدی فرماتے اور اپنی قراءت میں فرشتے پر سبقت کر جاتے تو اللہ عز وجل نے آپ کو حکم دیا کہ جب فرشتہ وحی لے کر آئے تو اسے غور سے سننا چاہیئے کیونکہ اس کی اصل صورت میں جمع کرنے کی ذمہ داری اللہ عز وجل نے اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

گویا قراءت جبرئیل کے وقت آپ کا کام صرف استماع اور خاموش رہنا ہے ساتھ ساتھ پڑھنا درست نہیں

یہی مضمون ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ؕ	آپ کے پاس جو وحی بھیجی جاتی ہے۔ اس کے پورے ہونے سے قبل قراءت میں جلدی نہ فرمایئے۔ اور دعا کیجئے اے میرے پروردگار میرے علم میں زیادتی فرما۔

اس آیت میں بھی اس امر کو صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ تلاوت قرآن کریم کے وقت سامعین کا فرض تدبر وانہماک کے ساتھ قرآن کو سننا ہے۔ انھیں ساتھ ساتھ پڑھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا مجھے قرآن کریم پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں آپ کو قرآن پڑھ کر سناؤں۔ حالانکہ آپ پر قرآن نازل ہوا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

انی مشتھی ان اسمعہ من غیری۔ (مسلم جلد ا ص۲۷۲)	میں چاہتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی اور سے سنوں۔

امام نووی اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں۔

منھا استحباب استماع القراءۃ والاصغاء لھا والبکاء عندھا وتدبرھا واستحباب طلب القراءۃ من غیرہ لیستمع لہٗ وھو ابلغ فی الفھم والتدبر من قراءتہ بنفسہ (مسلم ج ۱ ص۲۷۲)	اس حدیث سے قراءت سننے کی کوشش کرنا، اس کی طرف متوجہ ہونا قراءت کے وقت رونا اور قرآن میں تدبر و تفکر کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے سے قرآن سننے کی تمنا کرنا مستحب ہے۔ تاکہ اسے غور سے سنا جا سکے

کیونکہ خود قراءت کی بہ نسبت سننے سے زیادہ تدبر حاصل ہوتا اور غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔

یعنی اگرچہ قرآن کریم کا پڑھنا کار ثواب ہے لیکن جس طرح دوسرے سے سننے میں فہم و تدبر اور غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ وہ خود پڑھنے سے ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے خود پڑھنے کے بجائے بعض اوقات دوسرے سے سننا افضل و اعلیٰ ہے۔

اللہ تعالےٰ نے ہر نیکی پر دس گنا اجر بیان کیا ہے۔ اور ترمذی میں ہے کہ قرآن کے ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن مسند احمد کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے

کہ قرآن سننے والے کے لئے ہر حرف پر بیس نیکیاں ہیں۔ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

من استمع الیٰ اٰیۃ من کتاب اللّٰہ کتب لہ حسنۃ مضاعفۃ الحدیث (ابن کثیر ج ۲ ص ۲۸۱)	جس کسی نے کتاب اللہ کی کسی آیت کی جانب کان لگائے اس کے لئے دگنی نیکی لکھی جاتی ہے۔

چونکہ مقتدی کے لئے خاموش رہنا اور قراءت سننا واجب ہے اس حدیث کی رو سے اسے دہرا اجر ملے گا۔ اس کی تائید ایک اور حدیث سے ہوتی ہے جس کے الفاظ ہیں۔

یجب الصمت عند ثلاث عند تلاوۃ القراٰن وعند الزحف و عند جنازۃ۔ (ابن کثیر ج ۲ ص ۳۱۶)	تین اوقات میں خاموش رہنا واجب ہے تلاوت کلام اللہ کے وقت، جنگ کے وقت اور جنازے کے قریب۔

اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ یہ لکھ رہے ہیں۔

دل الکتاب والسنۃ والاجماع علیٰ ان الاستماع افضل من القراءۃ۔ (فتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۳)	کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ قرآن سننے کی کوشش کرنا قراءت سے افضل ہے۔

حاصل کلام یہ کہ قرآن و حدیث اور ائمہ محدثین کے اقوال سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت سامعین کو ہمہ تن گوش ہو کر اسے سننا اور اس پر غور و تدبر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن کریم کی تعظیم کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

یہ تو قرآنِ کریم کے عمومی آداب ہوئے۔ اب ہم وہ آیت پیش کرنا چاہتے ہیں جس میں تخصیص کے ساتھ امام کے پیچھے قراءت سے منع کیا گیا ہے۔ پھر اس کی تفسیر و تشریح اور شانِ نزول حضرات صحابۂ کرام، تابعین و تبع تابعین اور مفسرین کرام سے نقل کریں گے۔

قرآن مجید اور فاتحہ خلف الامام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (اعراف ۱۴۱)	اور جب قرآن کی قراءت کی جائے تو اس کی جانب کان لگاؤ۔ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

جمہور امت کا یہ فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسئلہ خلف الامام پر روشنی ڈالی ہے کہ جب امام قرآن کریم کی قراءت کر رہا ہو اس وقت مقتدی کے ذمہ یہ لازم ہے کہ وہ توجہ کے ساتھ کان لگائے رہیں اور خود خاموش رہیں کیونکہ قراءت امام کا فریضہ ہے اور مقتدی کا فریضہ کان لگانا اور خاموش رہنا ہے۔ ان کے لئے قراءت کی کوئی گنجائش نہیں خواہ قراءت سننے میں آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔ کیونکہ استماع کا معنی سننا نہیں بلکہ کان لگانا اور توجہ کرنا ہے جس کا لازمی نتیجہ سکوت ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اس آیت کی تفسیر میں صحابۂ کرام کے اقوال پیش کریں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ صحابۂ کرام کی بیان کردہ تفسیر امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک مسند و مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے۔ (مستدرک ج ۱ ص۱۲۳) اور امام حاکم کی اپنی ذاتی رائے بھی یہی ہے (معرفۃ علوم الحدیث ص۲۰)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں صحابی کی تفسیر اکثر علماء کے نزدیک حدیث مرفوع کے حکم میں ہے (البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ ص۲۳۳)۔ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں تفسیر الصحابی حجۃ (زاد المعاد ص۵۲) علامہ سیوطی لکھتے ہیں تفسیر الصحابی موقوف (تدریب الراوی ص۶۵) علامہ جزائری لکھتے ہیں کہ جس صحابی نے نزولِ وحی کا زمانہ پایا ہو اس کا کسی آیت سے متعلق یہ کہنا کہ یہ فلاں اور فلاں حکم میں نازل ہوئی ہے مرفوع حدیث کے حکم میں ہے (توجیہ النظر ص۱۶۵)

غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

وکذا حکم اقوالھم فی التفسیر فانھا اصوب من اقوال من بعدھم وقد ذھب بعض اھل العلم الی ان تفسیرھم فی حکم المرفوع۔
(الجنۃ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنۃ ص۹۶)

صحابہ کے تفسیری اقوال بعد کے لوگوں کے اقوال سے زیادہ صحیح ہیں بلکہ بعض اہلِ علم کا قول یہ ہے کہ ان کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہے۔

یہ امر ذہن نشین ہونے کے بعد اب آیت مذکورہ کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔
مفسرؒ ابن جریر نے بسیر بن جابر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک دن نماز پڑھائی تو انھوں نے کچھ لوگوں کی قراءت کی آواز سُنی جو امام کے ساتھ قراءت کر رہے تھے۔ انھوں نے سلام پھیر کر فرمایا۔

اما ان لکم ان تفھموا اما ان لکم ان تعقلوا واذا قری القراٰن فاستمعوا لہ و انصتوا کما امرکم اللہ۔
(ابن جریر ج ۹ ص۱۰۳)

کیا تم میں ابھی سمجھ پیدا نہیں ہوئی، کیا تمھیں ابھی عقل نہیں آئی "کہ جب قرآن کی قراءت کی جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو" جیسا کہ تمھیں اللہ تعالےٰ نے حکم دیا ہے۔

اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام کی قراءت کے وقت مقتدیوں کے لئے خاموش رہنا حکمِ الٰہی ہے۔ اور جو امام کے پیچھے قراءت کرتا ہے وہ اتنا کم فہم اور بدعقل ہے کہ حکمِ الٰہی کو بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔
بیہقیؒ نے ابو وائل سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے قراءت خلف الامام کے بارے میں فرمایا۔

انصت للقراٰن کما امرت فان فی القراءۃ شغلا و سیکفیک ذٰلک الامام۔
(کتاب القراءۃ ص۱۰۳)

تجھے حکم دیا گیا ہے اس لئے تو قرآن سننے کے لئے خاموش ہو جا کیونکہ قراءت سے شغل پیدا ہوتا ہے۔ اور تجھے اس کام کے لئے یہ امام کافی ہے۔

اس روایت سے عبداللہ بن مسعودؓ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ جب مقتدی اپنی قراءت میں مشغول ہو جائے گا تو انصات جو حکم الٰہی ہے اس پر کیسے عمل ہوگا۔ اور قراءت قرآن کے وقت انصات کا حکم ہے نہ کہ قراءت کا۔

بیہقی نے علی بن ابی طلحہ سے روایت کیا ہے وہ ابن عباسؓ سے ناقل ہیں۔

فِی قولہ تعالیٰ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ یعنی فی الصلوٰۃ المفروضۃ (کتاب القراءۃ ص۲۷)	اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ جب قرآن کی قراءت کی جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یہ حکم فرض نماز میں ہے۔

بیہقی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔

المؤمن فی سعۃ من الاستماع الیہ الا فی صلوٰۃ مفروضۃ اَوِ المکتوبۃ او یوم جمعۃ او یوم فطر او یوم اضحی یعنی وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ الایۃ (کتاب القراءۃ ص۲۷)	مومن کو قرآن سننے یا نہ سننے کا اختیار ہے یعنی یہ حکم "کہ جب قراءت قرآن کی جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو" یہ حکم فرض نماز، نماز جمعہ، نماز عید الفطر اور نماز عید الضحیٰ کے لئے ہے۔

صحابہ کرام کے بعد تابعین کی تفسیر قابل حجت ہے۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

وَهٰكَذَا تَفْسِيْرُ التَّابِعِي حُجَّةٌ (بجنہ ۹۶)	اسی طرح تابعی کی تفسیر حجت ہے۔

ابن کثیر فرماتے ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر میں قرآن و حدیث اور صحابہ کے بعد تابعین کی تفسیر قابل حجت ہے۔ اور یہی اکثر ائمہ سے منقول ہے۔ خصوصاً مجاہد بن جبیر کی تفسیر کیونکہ وہ فن تفسیر کے امام تھے۔ سفیان ثوری فرماتے تھے۔ جب مجاہد کی تفسیر تمہارے پاس پہنچ جائے تو پھر کسی کی حاجت باقی نہیں رہتی۔ ان کے بعد سعید بن جبیر، عکرمہ، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، مسروق، سعید بن مسیب ابو العالیہ، ربیع بن انس، قتادہ اور ضحاک بن مزاحم وغیرہ کا درجہ ہے (ابن کثیر جلد ۱ ص۵)

مجاہد بن جبر ۱۰۲ھ کی روایت

بیہقی نے اسمٰعیل بن کثیر مکی کے ذریعہ مجاہد بن جبر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا قال فی الصلوٰۃ۔ (کتاب القراۃ ص۱۰۳)

"اور جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو اسے غور سے سُنو اور خاموش رہو"۔ یہ حکم نماز میں ہے۔

بیہقی نے حمید اعرج سے روایت کیا ہے وہ مجاہد سے روایت کرتے ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا قَالَ فِی الصلوٰۃ (کتاب القراۃ ص۱۰۴)

اور جب قرآن کی تلاوت کی جائے تو غور سے سنو۔ یہ حکم نماز میں ہے۔

بیہقی نے ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الصلوٰۃ فسمع قراءۃ فتی من الانصار فنزل وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ الاٰیۃ۔ (کتاب القراءت ص۱۰۲)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز میں قرارت فرماتے۔ آپ نے ایک انصاری نوجوان کی قرارت کی آواز سنی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی "اور جب قرآن کی قرارت کی جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو"۔

مجاہد کے قول سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صحابہ قطعاً قرارت نہ کرتے تھے اور غلطی سے صرف ایک انصاری نے قرارت کی تھی جس کی ممانعت میں یہ آیت نازل ہوگئی یہی مضمون امام زہری سے بھی منقول ہے۔ (کتاب القرارت ص۱۰۳)

سعید بن المسیب ۹۴ھ کا قول

بیہقی نے قتادہ سے روایت کیا ہے وہ سعید بن المسیب سے ناقل ہیں۔ سعید فرماتے ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا قال فی الصلوٰۃ (کتاب القراۃ ص۱۰۵)

"اور جب قرآن کی قرارت کی جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو" یہ حکم نماز میں ہے۔

حسن بصری کا قول

بیہقی نے حسن بصری سنالہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا فی الصلوٰۃ۔ (کتاب القراءۃ ص۵)

"اور جب قرآن کی قرات کی جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو" یہ حکم نماز میں ہے۔

ابو العالیہ ۹۲ھ کی تفسیر۔

بیہقی نے ابو العالیہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم اذا صلی قرا فقرا اصحابہ فنزلت فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ الآیۃ فسکت القوم وقرا النبی صلے اللہ علیہ وسلم (کتاب القراءۃ ص۴۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے اور قرات فرماتے تو آپ کے صحابہ بھی قرات کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ قرآن کی جانب کان لگاؤ۔ آخر آیت تک تمام لوگ خاموش رہنے لگے اور حضورؐ قرات فرماتے۔

امام زہری ۱۲۴ھ کا فیصلہ

بیہقی نے امام زہری سے ان کا یہ قول روایت کیا ہے۔

قال لا یقرا من وراء الامام فیما یجھر بہ الامام یکفیھم قراءۃ الامام وان لم یسمعھم صوتہ ولکنھم یقراون فی ما لا یجھر بہ سرا فی انفسھم ولا یصلح لاحد فلہ ان یقرأ معہ فی ما جھر بہ سرا ولا علانیۃ قال اللہ وَاِذَا قُرِئَ

زہری کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے پیچھے ان نمازوں میں قرات نہ کرے جن میں امام جہر سے قرات کرے۔ انہیں امام کی قرات کافی ہے اگرچہ اس کی آواز نہ سنائی دیتی ہو۔ لیکن جن نمازوں میں آہستہ قرات کی جاتی ہے ان میں اپنے دل میں پڑھ سکتا ہے، اور کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ امام کے پیچھے اس کے ساتھ قرات کرے ان نمازوں میں جن میں

اَلْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (کتاب القراءت ص۵۲)	بالجہر قرات ہوتی ہے۔ خواہ بلند آواز سے قرات ہو یا آہستہ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی جانب

کان لگاؤ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

عبید بن عمیر ؒ ۷۴ھ اور عطاء بن ابی رباح ۱۱۴ھ کا فیصلہ

مفسر ابن جریر اور ابن کثیر نے طلحہ بن عبید بن کریز سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں میں نے عبید بن عمیر اور عطاء بن ابی رباح کو آپس میں باتیں کرتے دیکھا۔ حالانکہ اس وقت ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا۔ میں نے ان سے عرض کیا۔ آپ ذکر کیوں نہیں سنتے اور وعید الٰہی کے مستوجب کیوں ہو رہے ہیں۔ انھوں نے میری جانب نگاہ اٹھائی اور پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ میں نے دوبارہ عرض کیا۔ انھوں نے پھر میری طرف دیکھا اور باتوں میں مشغول ہو گئے۔ میں نے سہ بارہ عرض کیا ان دونوں نے فرمایا۔

اِنَّمَا ذٰلِكَ فِی الصَّلٰوةِ یعنی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا الآیۃ۔ (ابن جریر ج ۹ ص۱۱۰، ابن کثیر ج ۳ ص۲۸۱)	یہ حکم نماز میں ہے۔" یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی جانب کان لگاؤ اور خاموش رہو۔"

یعنی خاموش رہنے کا حکم نماز کے ساتھ مخصوص ہے۔

محمد بن کعب القرظی ۱۰۸ھ کا فیصلہ

بیہقی نے محمد بن کعب القرظی سے نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرارت کیا کرتے تھے۔ اس پر سورۂ اعراف کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ (کتاب القراءۃ ص۷۲)	اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو۔

تابعین اور تبع تابعین کی اور بھی بہت سی مستند روایات ہیں جنھیں ہم طوالت کے

خوف سے نظر انداز کرتے ہیں۔ اجمالی طور پر مفسر ابن کثیر کا ایک قول قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

وکذا قال الضحاک وابراھیم النخعی وقتادۃ والشعبی والسدی وعبد الرحمٰن بن زید بن اسلم ان المراد بذٰلک الصلوٰۃ (ابن کثیر ج ۲ ص۲۸۱)	قرآن کی جانب کان لگانا اور خاموش رہنا نماز کے ساتھ مخصوص ہے یہی قول ضحاک، ابراہیم نخعی، قتادہ، شعبی، سدی، اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا ہے۔

امام ابن قدامہ حنبلی مسئلہ خلف الامام پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولنا قول اللہ تعالیٰ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا قال احمد فالناس علیٰ ان ھٰذا فی الصلوٰۃ وعن سعید بن المسیب والحسن وابراھیم ومحمد بن کعب والزھری انھا نزلت فی شان الصلوٰۃ و قال زید بن اسلم وابو العالیۃ کانوا یقرأون خلف الامام فنزلت واذا قرئ القرآن الآیۃ وقال احمد فی روایۃ ابی داؤد اجمع الناس علی ان ھٰذہ الآیۃ فی الصلوٰۃ۔ (مغنی ج ۱ ص۶۰۵)	ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "کہ جب قرآن کی قرارت کی جائے تو اس کی جانب کان لگاؤ اور سکوت اختیار کرو" امام احمد فرماتے ہیں تمام لوگوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حکم نماز میں ہے۔ اور سعید بن المسیب، حسن بصری ابراہیم نخعی، محمد بن کعب اور زہری سے یہ ثابت ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ زید بن اسلم اور ابو العالیہ کہتے ہیں کہ صحابہ امام کے پیچھے قرارت کرتے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ جب قرآن پڑھا جائے آخر آیت تک۔ ابو داؤد نے امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں ہے۔

بقول امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ اس پر اجماع امت ہے کہ یہ آیت کریمہ قرارت خلف الامام کی ممانعت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور تمام تابعین وتبع تابعین کا

یہی مسلک ہے۔ حتیٰ کہ ابن کثیر نے شافعی ہونے کے باوجود اسی مسلک کو پسند کیا ہے۔

ابن جریر ۳۱۰ھ جو مشہور مفسر و مؤرخ اور مجتہد ہیں اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

وقد صح الخبر من رسول الله صلى الله عليه وسلم بما ذكرنا من قوله واذا قرء الامام فانصتوا فالانصات خلفه لقراءته واجب على من كان به موتما سامعا قراءته لعموم ظاهر القرآن والخبر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم۔

(تفسیر ابن جریر ج ۹ ص۱۱۰)

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے۔ "کہ جب امام قراءت کرے تو خاموش رہو" یہ حدیث صحیح طور پر ثابت ہے۔ تو امام کی قراءت کے وقت اس شخص پر جو امام کی اقتدار کر رہا ہو اور قرآن سن رہا ہو خاموش رہنا واجب ہے۔ کیونکہ عموم قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

مفسر حسین بن محمود البغوی ۵۱۶ھ کا فیصلہ

امام بغوی اس آیت کے شان نزول پر بحث کرتے ہوئے کہ یہ نماز کے بارے میں نازل ہوئی یا خطبہ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

والاول اولى وهو انها في القراءة في الصلوة لان الاية مكية والجمعة وجبت بالمدينة واتفقوا على انه مامور به بالانصات حالة ما يخطب الامام۔ (معالم التنزيل على ابن كثير ج ۳ ص ۶۲۳)

پہلا یہ قول کہ یہ آیت نماز میں قراءت کے سلسلہ میں نازل ہوئی زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور جمعہ مدینہ میں واجب ہوا اس پر ضرور اتفاق ہے کہ جب امام خطبہ دے تو لوگوں پر خاموش رہنا واجب ہے۔

علامہ زمخشری (محمود بن محمد ۵۲۸ھ) کا فیصلہ

ظاہرہٗ وجوب الاستماع والانصات وقراءۃ القرآن فی صلوٰۃ وغیر صلوٰۃ۔ (تفسیر کشاف ج ۱ ص۵۲۳)

ظاہر قرآن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرارت قرآن کے وقت کان لگانا اور خاموش رہنا واجب ہے خواہ وہ قرارت نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔

مفسر بیضاوی کا فیصلہ (عبداللہ بن عمر ابوسعید ۶۸۵ھ)

نزلت فی الصلوٰۃ کانوا یتکلمون فیہا فامروا باستماع قراءۃ الامام والانصات (تفسیر بیضاوی ص۲۰۸)

یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ صحابہ نماز میں کلام کرتے تو انھیں امام کی قرارت کو غور سے سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا

حافظ ابوعمر بن عبدالبر کا قول (یوسف بن عبداللہ ۴۶۳ھ)

امام مالک جہری نمازوں میں قراءت خلف الامام کے قائل نہیں۔ حافظ ابن عبدالبر اس کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وحجتہ قولہ تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ لاخلاف انہ نزل فی ھذا المعنی دون غیرہٖ۔ (اوجز المسالک ج ۱ ص۲۴۰)

امام مالک کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے "کہ جب قرآن کی قرارت کی جائے تو اس پر کان لگاؤ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے" یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی نہ کسی اور سلسلہ میں۔

اب ہم کہاں تک تفصیل نقل کئے جائیں۔ ان تفصیلات کے باوجود "فصل الخطاب" کے مصنف کا دعویٰ یہ ہے کہ آج تک اس کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ حالانکہ تمام علماء مالکیہ علماء حنابلہ اور علماء احناف ان امور کا ابتداء سے جواب دیتے چلے آئے ہیں۔ اور خاص طور پر "فصل الخطاب" کے جواب میں مولوی سرفراز حنفی نے ایک ضخیم کتاب "احسن الکلام" کے نام سے تحریر فرمائی ہے جو سب سے پہلی دفعہ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے باوجود غیر مقلدین کا آج تک یہی دعویٰ ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں لکھا گیا اور دنیا کے

تمام علمار احناف اس کے جواب میں عاجز آگئے ہیں :۔ اب دیکھئے وہ کیا لکھتے ہیں؛

اب ہم آخر میں ایک ایسے شخص کا فیصلہ نقل کرنا چاہتے ہیں جن کی حیثیت غیر مقلدین کے یہاں بھی مسلمہ ہے۔ اور جن کے اقوال جابجا پیش کرتے رہتے ہیں یعنی شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالےٰ۔

امام ابن تیمیہ کا فیصلہ

فالنزاع من طرفین لکن الذین ینھون عن القراءۃ خلف الامام جمھور السلف والخلف و معھم الکتاب والسنۃ الصحیحۃ والذین اوجبوھا علی المامومِ فحدیثھم ضعّفہٗ الائمۃ۔

(تنوع العبادات ص۸۶)

جھگڑا تو ہر دو جانب سے ہے۔ لیکن جو لوگ امام کے پیچھے قرارت سے منع کرتے ہیں وہ جمہور امت ہیں جس میں تمام اسلاف و اخلاف داخل ہیں۔ اور کتاب اللہ اور سنت صحیحہ انہی کے ساتھ ہے اور جن لوگوں نے مقتدی پر قرارت (فاتحہ) کو واجب قرار دیا ہے تو ان کی حدیث کو ائمہ محدثین نے ضعیف کہا ہے۔

قائلین قرارت خلف الامام کی تعداد گنی چنی ہے جبکہ تمام سلف و خلف کتاب اللہ اور سنت صحیحہ کے باعث اس کے خلاف ہیں۔ اور جس حدیث میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے وہ ائمہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

وقول الجمھور ھو الصحیح فان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ قال وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ قال احمد اجمع النّاس علیٰ انّھا نزلت فی الصلوٰۃ۔

(فتاویٰ جلد ۲ ص۴۱۲)

جمہور کا قول قطعاً صحیح ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم ہے "کہ جب قرآن کی قرارت کی جائے تو اس کی جانب توجہ کرو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔" امام احمد فرماتے ہیں اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

وذکر احمد بن حنبل الاجماع علیٰ انّھا نزلت فی الصلوٰۃ وذکر الاجماع علیٰ انّھا لا تجب القراءۃ علی الماموم حال الجھر (فتاویٰ جلد ۲ صفحہ ۱۴۳)	احمد بن حنبل نے اس کا ذکر کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ اور اس پر بھی اجماع ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی پر قرارت واجب نہیں۔

یعنی امام ابن تیمیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ آیت قرارت خلف الامام کی ممانعت میں نازل ہوئی اور اسی پر تمام جمہور سلف و خلف کا اجماع ہے۔ اب جو شخص امام کے پیچھے قرارت کرتا ہے جہاں وہ کتاب اللہ کی مخالفت کر رہا ہے وہاں وہ اجماع امت کا بھی منکر ہے۔ کجا کہ تمام امت کی نمازوں کو باطل قرار دینا۔ غیر مقلدین حضرات ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر بتائیں کہ امام احمد اور امام ابن تیمیہ کی نمازوں کے بارے میں وہ کیا فرماتے ہیں۔ اگر ان کی نماز قرارت خلف الامام کے بغیر ہو گئی تھی تو ہماری بھی ادا ہو جائے گی۔ اور اگر خدانخواستہ ان تمام حضرات کی نمازیں جن جن کا ذکر اس کتابچہ میں کیا گیا ہے اور خاص طور پر صحابہ کرام کی نمازیں باطل ہیں تو ہمیں ان کی باطل نمازیں آپ کی مقبول نمازوں سے زیادہ پسند ہیں۔ اس لئے کہ ہمیں ان کی اقتدا کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے طریقۂ کار پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

آخر کتاب میں ہم ان حضرات کی ایک فہرست پیش کر رہے ہیں جو فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔

فریق مخالف کے دلائل اور ان کا رَد

یہ تو وہ دلائل تھے جو مسلک حنفیہ کی بنیاد ہیں۔ اب رہ گئے فریق مخالف کے دلائل۔ تو ان کے پاس اس کی اصل بنیاد عبادہؓ بن صامت کی حدیث ہے جو بخاری و مسلم اور تمام صحاح ستہ میں پائی جاتی ہے۔ جس کے الفاظ ہیں۔

لَاصَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ — نماز سورت فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔

اس حدیث کے سلسلہ میں پہلی عرض تو یہ ہے کہ یہ روایت تین زمانوں تک خبرِ واحد رہی یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے عبادہؓ کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ عبادہؓ سے محمود بن الربیع کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا۔ اور محمود سے زہری کے سوا کوئی اس کا دوسرا راوی نہیں امام زہری کی وفات ۱۲۴ھ میں ہوئی۔ گویا زہری کی وفات تک اس حدیث کی کوئی شہرت نہ تھی، اور عام صحابہ و تابعین اس روایت سے قطعاً ناواقف تھے۔ ان دونوں بہترین ادوار میں صرف ایک ایک شخص اس حدیث سے واقف رہا ہے۔ گویا یہ کوئی علم باطن تھا جس کا ہر ایک کے سامنے اظہار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں تین امور میں سے ایک امر یقیناً تسلیم کرنا ہوگا۔

اولؔ کہ تمام صحابہ اور تابعین نماز کے اتنے بڑے اہم مسئلہ سے ناواقف تھے اور اس باعث ان کی نمازیں باطل تھیں۔ غیر مقلدین کے لئے تو یہ فیصلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، لیکن ہمارے لئے تو اس کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

دوئمؔ۔ یا ان صحابہ و تابعین کی نظر میں اس حدیث کا کوئی مقام نہ تھا۔ کیونکہ حدیث کی صحت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جہاں اس کے راوی ثقہ ہوں، وہاں اس پر صحابہؓ و تابعین کا تعامل بھی رہا ہو۔ اگر کسی حدیث پر ان کا عمل نہیں تو وہ روایت کسی صورت میں بھی حجت نہیں۔ خواہ اس کے راوی فرشتے ہی کیوں نہ ہوں، لیکن اگر حدیث بلحاظ سند ضعیف ہو، لیکن اس پر صحابہؓ و تابعین کا تعامل رہا ہو تو وہ ضعیف قابل قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ ضعف بعد کے راوی کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔

سوئمؔ۔ اگر یہ ہر دو امور قابل قبول نہیں تو پھر یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ تمام صحابہ و تابعین اس روایت کو عام نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ یہ حکم اس شخص کے لئے مخصوص تصور کرتے تھے جو تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔ جیسا کہ سابقہ سطور میں آپ اسے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

دوسری عرض یہ ہے کہ امام زہری سے اس حدیث کو نقل کرنے والے متعدد

حضرات ہیں، یعنی سفیانؒ بن عیینہ، یونسؒ، معمرؒ، صالحؒ بن کیسان، اوزاعیؒ شعیبؒ بن ابی حمزہ اور عبدالرحمٰن بن اسحاق المدنی۔ لیکن ان حضرات کا حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے کہ اصل الفاظ کیا ہیں۔ معمر کے الفاظ ہیں۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب فصاعدًا۔	جو شخص سورہ فاتحہ اور کچھ اور قرآن نہ پڑھے اس کی نماز نہیں۔

ان الفاظ سے یہ لازم آتا ہے کہ سورت فاتحہ کے ساتھ کچھ اور قرآن پڑھنا بھی واجب ہے۔ تو اگر یہ حکم عام ہے تو مقتدی پر سورت فاتحہ کے علاوہ قرات قرآن بھی واجب ہوگی۔ حالانکہ غیر مقلدین بھی اس کے قائل نہیں۔ اس لئے ان کا سارا زور اس پر صرف ہوتا ہے کہ اس حدیث میں جو زیادہ الفاظ ذکر ہو رہے ہیں' وہ صحیح نہیں۔ حالانکہ کسی خاص راوی کے الفاظ کو ضعیف اس وقت قرار دیا جاتا ہے جبکہ وہ راوی ضعیف ہو، حالانکہ معمر کی ثقاہت پر سب کا اتفاق ہے۔ بلکہ محدثین کے نزدیک امام زہری کے شاگردوں میں معمر سے زیادہ کوئی قابل اعتبار نہیں۔ اور یہ بھی محدثین کا قاعدہ ہے کہ جب دو راوی ایک حدیث روایت کر رہے ہوں اور دونوں ثقہ ہوں، اور ایک راوی کی روایت میں الفاظ زیادہ ہوں، تو اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اور اس پر عمل ہوگا۔ اور یہ تصور کیا جائے گا کہ جس راوی نے کم الفاظ نقل کئے ہیں اس سے بھول واقع ہوئی ہے۔ وہ پورے الفاظ کو محفوظ نہیں رکھ سکا۔

لیکن ان تمام اصولوں کے برعکس بخاری نے اپنی کتاب "جزء القراءۃ" میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ الفاظ معمر کے علاوہ کوئی اور روایت نہیں کرتا۔ اس لئے یہ روایت ناقابل قبول ہے۔ اگر بخاری کی یہ منطق قبول کر لی جائے تو میں صحیح بخاری کی ایسی بیسیوں احادیث پیش کر سکتا ہوں جس میں بخاری نے زیادت راوی کو نقل کیا ہے۔ اور انہی کے اصول کے پیش نظر وہ تمام روایات ناقابلِ قبول ہوں گی۔ غیر مقلدین ذرا سوچ کر جواب دیں۔

جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم تو بخاری کی اس نرالی منطق کو بھی قبول کرنے کے لئے

تیار ہیں۔ اور جواباً عرض کرتے ہیں کہ جو الفاظ معمر نے روایت کئے ہیں وہی الفاظ اوزاعی، شعیب بن ابی حمزہ، عبدالرحمان بن اسحاق اور یونس نے بھی روایت کئے ہیں۔ اب صرف دو حضرات ایسے باقی ہیں جو وہ الفاظ بیان کر رہے ہیں جو بخاری نے بیان کئے ہیں۔ ایک سفیان بن عیینہ اور دوسرے صالح بن کیسان۔ جہاں تک صالح کا تعلق ہے تو بخاری نے اس کی روایت اپنی صحیح میں پیش نہیں کی جس کا مقصد صاف ظاہر ہے کہ وہ اتنے اعلیٰ درجہ کی نہیں ہے، جو صحیح بخاری میں اسے پیش کیا جا سکے اب صرف سفیان بن عیینہ باقی رہ جاتے ہیں۔ گویا بخاری امام ابوحنیفہ کی مخالفت میں الٹی بات کہہ گئے ہیں۔ انہیں کہنا تو یہ چاہئے تھا کہ ہمارے پیش کردہ الفاظ سفیان کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ اس طرح یہ لازم آتا ہے کہ بخاری نے جو الفاظ پیش کئے ہیں وہ انہی کی منطق سے ناقابل قبول ہوں۔

اب رہ گیا سفیان بن عیینہ کا معاملہ تو ان کی امامت اور ان کی شان سے کوئی منکر نہیں لیکن انھوں نے امام زہری سے جو روایات سنی ہیں وہ کم عمری میں سنی ہیں۔ اسی لئے وہ زہری کی بعض روایات میں غلطیاں کرتے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ سفیان نے زہری کی بیس سے زیادہ روایات میں غلطیاں کی ہیں۔ میزان جلد ۲ ص۱۷۱۔ اس لحاظ سے غلطی سفیان بن عیینہ کی ہے نہ کہ بقول بخاری معمر کی۔

سفیان کی روایت میں بھی اختلاف ہے۔ کیونکہ علی بن المدینی، ابوبکر بن ابی شیبہ عمرو الناقد، اسحاق بن ابراہیم اور حمیدی سفیان سے تو یہ الفاظ نقل کر رہے ہیں۔

لاصلاة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب	اس شخص کی نماز نہیں جو فاتحہ کی تلاوت نہ کرے

اتفاق سے یہ الفاظ بخاری نے علی بن المدینی سے نقل کئے ہیں جبکہ ابوداؤد نے قتیبہ بن سعید اور ابن السرح کے ذریعہ سفیان سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً	اس شخص کی نماز نہیں جو سورت فاتحہ اور کچھ اور قرآن کی تلاوت نہ کرے۔

گویا تمام رواۃ ان زیادہ الفاظ پر متفق ہیں۔ صرف سفیان کے بارے میں اختلاف ہے

کہ ان کے الفاظ کیا تھے۔ بخاری نے جو یہ دعویٰ کیا تھا۔ کہ معمر کے علاوہ ان الفاظ کو کوئی روایت نہیں کرتا۔ وہ دعویٰ تو باد رہوا ہے۔ بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ کوئی یہ ثابت کردے کہ سفیان کے الفاظ میں اختلاف نہیں۔ اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہوئی کہ معمر، شعیب، ابن ابی حمزہ، یونس، عبدالرحمٰن بن اسحٰق اور اوزاعی تو متفقہ طور پر یہ زیادہ الفاظ نقل کررہے ہیں۔ اور سفیان کے بارے میں اختلاف ہے۔ اب صرف صالح بن کیسان باقی رہ جاتا ہے۔ اور چونکہ اس کی روایت دیگر تمام ثقہ راویوں کے خلاف ہے اس لئے یہ قابل قبول نہیں۔ اور غالباً اس عیب کو چھپانے کے لئے بخاری نے تمام جرم معمر کے سر تھوپ دیا ہے۔

محدثین وفقہاء کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو راوی حدیث روایت کررہا ہو وہ خود اس روایت پر عامل ہو، اگر وہ اس روایت پر عامل نہیں تو یا تو وہ حدیث اس کی نظر میں منسوخ ہوتی ہے۔ یا قابل تاویل ہوتی ہے۔ کیونکہ الفاظ حدیث اور اس کے مفہوم سے اس راوی سے زیادہ کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ اور اس طرح وہ حدیث قابل عمل نہیں رہتی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی امام سفیان بن عیینہ کا خود کیا مسلک ہے۔ ابوداؤد نے جہاں سفیان کی حدیث پیش کی ہے، وہاں سفیان کا یہ قول بھی روایت کیا ہے۔

قال سفیان لمن یصلی وحدہٗ	سفیان کہتے ہیں یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔

یعنی بقول سفیان اس حدیث کا مقتدی سے کوئی تعلق نہیں۔ بخاری نے تو سفیان کی روایت پر اپنے مسئلہ کی بنیاد قائم کرنے کے لئے معمر کی روایت کو ناقابل قبول قرار دیا تھا۔ لیکن انھیں اس کا علم نہ تھا کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھاتا ہے۔ انھوں نے جس کے کاندھے پر رکھ کر بندوق چلانے کی کوشش کی تھی اسی نے ان کو اُلٹا نشانہ بنا دیا۔

یہ معاملہ یہیں نہیں ختم ہوا بلکہ سفیان کے استاذ امام زہری نے جو اس حدیث کی اصل بنیاد ہیں، اپنا فیصلہ ان الفاظ میں بیان کیا۔

قال لایقرأ من وراء الامام فی ما یجھر بہ الامام یکفیھم قراءۃ الامام وان لم یسمعھم صوتہ ولکنھم یقرأون فی مالا یجھر بہ سرًّا فی انفسھم ولا یصلح لاحد خلفہ ان یقرأ معہ فیما جھر بہ سرًّا ولا علانیۃ قال اللہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔

(کتاب القراءۃ ص۳۵)

زہری کہتے ہیں کہ جن نمازوں میں امام بلند آواز سے قراءت کرتا ہے، ان میں امام کے پیچھے قطعًا قراءت نہ کی جائے کیونکہ ان کے لئے امام کی قراءت کافی ہے۔ خواہ امام کی آواز سننے میں نہ آئے لیکن جن نمازوں میں امام جہری طور پر قراءت نہیں کرتا اس میں مقتدی آہستہ اپنے دل میں پڑھ سکتا ہے۔ اور جہری نمازوں میں کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ امام کے پیچھے قراءت کرے خواہ بلند آواز سے خواہ آہستہ کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اور جب قرآن کی قراءت کی جائے تو تم اس پر کان لگالو اور خاموش رہو۔

حالانکہ اس حدیث کا تمام دارومدار زہری پر ہے۔ اور زہری جہری نمازوں میں مخالفت قرآن کے باعث اسے قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، اور سفیان جو زہری سے اسے روایت کر رہے ہیں وہ مقتدی کو اس روایت کے حکم سے خارج سمجھتے ہیں۔ اس طرح اس مسئلہ کی پوری عمارت زمین پر آجاتی ہے۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ بخاری کے علاوہ تمام محدثین جو کسی خاص مسلک کے مقتدی نہ تھے یعنی بقول غیر مقلدین وہ غیر مقلد تھے۔ وہ سب جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں۔

واختار اصحاب الحدیث ان لا یقرأ الرجل اذا جھر الامام بالقراءۃ۔

(ترمذی ج۱ ص۶۵)

اور حدیث پر عمل کرنے والوں کا مسلک یہ ہے کہ جب امام جہری طور پر قراءت کرے تو امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھا جائے۔

اس طرح آجکل کے نام نہاد اہلِ حدیث صحیح معنی میں اہل حدیث نہیں بلکہ وہ مقلد

بخاری ہیں۔ اگر واقعتاً وہ اہلِ حدیث ہیں تو انھیں جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام ترک کر دینی چاہئے۔ ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ نام خود ایک صریح دھوکہ ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ تشریح ہے کہ حضرت عبادہؓ امام کے پیچھے بلند آواز سے قرارت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت عبادہؓ کی روایت ہی پر عمل کرنا ہے تو ان کی کلیۃً اقتدا کیوں نہیں کی جاتی۔ اور اس پر عمل اسی صورت میں ممکن ہے کہ بھجن کی طرح باقاعدہ اجتماعی طور پر کورس کے ساتھ سورت فاتحہ کی تلاوت کی جائے۔ جس طرح کورس کے طور پر آمین کہی جاتی ہے۔ جب وہ خود عبادہؓ کے طریقہ کار پر عامل نہیں تو ہمیں کس بات کی دعوت دیتے ہیں۔ اور جب انہیں خود اس روایت کی چند شقیں قبول نہیں تو ہمیں ایک شق قبول کرنے پر کیوں مجبور کیا جاتا ہے۔

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ اصل حدیث وہی ہے جو زہری کے واسطہ سے معمر نے روایت کی ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدریؓ بھی روایت کر رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ ہیں۔

امرنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان انادی انہ لاصلاۃ الا بقراءۃ فاتحۃ الکتاب فما زاد	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں اس کا اعلان کر دوں کہ اس وقت تک نماز نہیں ہو سکتی جب تک سورت فاتحہ اور کچھ اور قرآن نماز میں نہ پڑھا جائے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ و سلم اخرج فنادِ فی المدینۃ انہ لاصلوٰۃ الا بقراٰن ولو بفاتحۃ الکتاب فما زاد۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جا اور مدینہ میں اعلان کر دے کہ نماز قرآن کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ خواہ سورت فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ تھوڑا سا قرآن پڑھا جائے۔

اور کوئی اس کا قائل نہیں کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ کے ساتھ اور قرآن بھی پڑھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ جس طرح باقی قرآن پڑھنے کا حکم منفرد کے لئے ہے، اسی

طرح سورت فاتحہ کا حکم بھی منفرد کے لئے ہے۔ نہ کہ مقتدی کے لئے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کے الفاظ ہیں۔

امرنا ان نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر۔	ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم سورت فاتحہ اور جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکیں اس کی قراءت کیا کریں۔

حضرت جابرؓ بھی اس حدیث کو روایت کر رہے ہیں، ان کے الفاظ ہیں۔

من صلى ركعة لم يقرأ فيها بام القرآن فلم يصل الا ان يكون وراء الامام۔ (ترمذی ج ۱ ص۶۵)	جس نے ایک رکعت بھی ایسی پڑھی جس میں سورت فاتحہ کی قراءت نہ کی گئی ہو، اس نے نماز نہیں پڑھی، مگر امام کے پیچھے نہیں۔

جابرؓ کی اس حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہ حکم مقتدی کے لئے قطعاً نہ تھا۔ بلکہ منفرد کے لئے تھا، اور یہ صحابی کی تفسیر ہے۔ اور صحابی کی تفسیر تمام امت کی تفسیر پر ترجیح رکھتی ہے، اسی لئے امام ترمذی لکھتے ہیں۔

واما احمد بن حنبل فقال معنى قول النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب اذا كان وحده واحتج بحديث جابر بن عبد الله قال احمد فهذا رجل من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم تاول قول النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب ان هذا اذا كان وحده۔ (ترمذی ج ۱ ص ۶۵)	لیکن امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ "نماز سورت فاتحہ کے بغیر نہیں" کا مقصد یہ ہے کہ جب تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔ اور انھوں نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی حدیث کو بطور حجت پیش کیا اور فرمایا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی کہ "اس شخص کی نماز نہیں جو سورت فاتحہ کی قراءت نہ کرے" یہ تاویل کی کہ یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو تنہا نماز پڑھ رہا ہو۔

گویا اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ حکم منفرد کے لئے ہے۔ اور یہ بھی فیصل شدہ امر ہے کہ حدیث کے الفاظ اس طرح تھے۔

لاصلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب فمازاد	نماز سورت فاتحہ اور کچھ اور قرآن کے بغیر نہیں ہوتی۔

جیسا کہ ابوہریرہؓ اور ابوسعیدؓ روایت کر رہے ہیں۔ اور عبادہؓ کی جس روایت میں الفاظ کی کمی واقع ہو رہی ہے وہ سفیان بن عیینہ کے شاگردوں اور صالح بن کیسان کی غلطی ہے۔ اور امام بخاریؒ سے یہ سہو ہوا کہ انہوں نے معمر اور سفیان کے ان شاگردوں کی روایات نقل نہیں کیں جنہوں نے پوری روایت نقل کی ہے۔ حالانکہ معمر اور قتیبہ بن سعید کی سیکڑوں روایات بخاری میں موجود ہیں بلکہ تمام کتب احادیث میں زہری کی بیشتر روایات معمر ہی سے مروی ہیں ایسی صورت میں معمر کی روایت ترک کرنا اور سفیان کی روایت کو پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ پھر سفیان کی روایت میں ابن المدینی کے الفاظ نقل کرنا اور قتیبہ اور عمرو بن السرح کے الفاظ حذف کرنا چہ معنی دارد۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

عبادہؓ کی ایک اور روایت

غیر مقلدین اپنے مسلک کی تائید میں حضرت عبادہؓ کی ایک اور روایت بھی پیش کرتے ہیں جو ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔ اور اسی روایت کے باعث تمام امت کی نمازوں کو باطل قرار دیا جاتا ہے۔ اس روایت کے الفاظ ہیں۔

عن عبادۃ قال کنا خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الفجر فثقلت علیہ القراءۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرءون خلف امامکم قلنا نعم ھذا یا رسول اللہ قال لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بھا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۰)	حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے صبح کی نماز پڑھ رہے تھے آپ پر قراءت دشوار ہو گئی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کیا تم اپنے امام کے پیچھے کچھ قراءت کر رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا سورت فاتحہ کے علاوہ کچھ قراءت نہ کرو کیونکہ جس نماز میں سورت فاتحہ قراءت نہ کی جائے وہ نماز نہیں۔

ہم اس کتابچہ کے ص۔ پر حضرت ابو ہریرہؓ، عمران بن حصینؓ، عبداللہؓ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن بحینہ کے واسطہ سے یہ روایت پیش کر چکے ہیں۔ ان میں کسی روایت میں یہ الفاظ نہیں کہ امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھو۔ یہ الفاظ صرف اس روایت میں پائے جاتے ہیں۔

اتفاق سے یہ روایت بدترین قسم کی ضعیف ہے۔ اسے عبادہؓ سے مکحول کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ اور مکحول سے محمد بن اسحاق کے علاوہ کوئی روایت نہیں کرتا۔ اور یہ دونوں راوی قابل اعتراض ہیں۔

جہاں تک مکحول دمشقی کا تعلق ہے تو وہ تدلیس میں مشہور ہیں۔ اور صحابہ کرام سے مرسل احادیث روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے کسی صحابی سے حدیث نہیں سنی اور محمود بن ربیع جن سے وہ یہ حدیث روایت کر رہے ہیں جو صحابی ہیں ان سے مکحول کا سماع ثابت نہیں۔ ابن سعد کا قول ہے کہ مکحول کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا ہے۔ حاکم کہتے ہیں مکحول کی صحابہ سے جتنی روایات ہوتی ہیں سب مرسل ہوتی ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں، مکحول نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ وہ درمیان سے راوی گرا کر اسے صحابی کی جانب منسوب کر دیتے ہیں۔ ابو حاتم رازی فرماتے ہیں وہ چنداں قابل اعتبار نہیں۔

یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مدلس کی وہ روایت جو حرف عَن کے ذریعہ مروی ہو وہ ناقابل قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ مدلس جب درمیان سے کوئی راوی گراتا ہے تو وہ روایت کو اسی حرف عن کے ذریعہ روایت کرتا ہے۔ اور اتفاق سے یہ روایت بھی عن کے ذریعہ مروی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ مکحول نے محمود بن الربیع سے کوئی روایت نہیں سنی، بلکہ درمیان سے کسی مجہول یا ضعیف راوی کو گرا کر اسے محمود کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ اس طرح یہ روایت منقطع ہوئی۔ اور یہ اصول اس وقت ہے جب کہ مدلس ثقہ ہو۔ اور اگر مدلس ضعیف ہو تو اس کا ضعف ہی روایت کو ناقابل قبول بنانے کے لئے کافی ہے۔ اور اتفاق سے مکحول ضعیف بھی ہیں۔ اس طرح اس روایت میں مکحول تک دو عیب پیدا ہو گئے ہیں۔

۱۔ اول مکحولؔ ضعیف ہے۔

۲۔ وہ مدلس ہے اور اس نے اس روایت کو عن کے ذریعہ روایت کیا ہے۔

ہمارے پاس اس کا ثبوت بھی ہے کہ مکحولؔ نے اس روایت میں تدلیس (دھوکہ) سے کام لیا ہے۔ کیونکہ وہ اس حدیث کی سند کبھی تو یہ پیش کرتے ہیں۔

عَنْ مَحْمُوْدٍ عَنْ عُبَادَةَ۔	محمود سے روایت ہے وہ عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔

کبھی یہ پیش کرتے ہیں۔

عن نافع بن محمود عن محمود عن عبادة۔	نافع بن محمود سے مروی ہے۔ وہ محمود سے اور وہ عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔

جو اس امر کی دلیل ہے کہ انھوں نے یہ روایت محمود سے نہیں سُنی بلکہ نافع بن محمود سے سُنی ہے۔ اور نافع بن محمود خود مجہول ہے۔ کبھی کہتے ہیں۔

عن محمود عن ابی نعیم عن عبادة۔	محمود سے مروی ہے وہ ابونعیم سے وہ عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔

یعنی محمود نے بھی یہ روایت عبادہ سے نہیں سُنی، بلکہ ابونعیم سے سُنی ہے۔ اور کبھی محمود اور نافع کا سرے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔

عن رجاء بن حیوة عن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عمرو عن عبادة	رجاء بن حیوہ سے مروی ہے وہ عبداللہ بن عمرو سے اور وہ عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔

کبھی فرماتے ہیں۔

عن رجاء بن حیوة عن محمود عن عبادة۔	رجاء بن حیوہ سے مروی ہے وہ محمود سے اور وہ عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور کبھی فرماتے ہیں۔

عن ربیعة الانصاری عن عبادة۔	ربیعۃ الانصاری سے مروی ہے وہ محمود سے اور وہ عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔

سب سے اول تو یہ فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ مکحولؔ نے یہ روایت کس سے لی ہے۔ محمود

بن ربیع، نافع بن محمود، رجاء بن حیوہ اور ربیعۃ الانصاری۔ اور جب غیر مقلدین یہ ثابت کردیں تو پھر یہ ثابت کریں کہ اس مقام مخصوص پر مکحول نے تدلیس سے کام نہیں لیا۔ کیونکہ وہ اس فن کے استاد ہیں۔ اور جب یہ تمام امور ثابت ہوجائیں تو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت عبادہؓ سے اسے روایت کرنے والا کون ہے۔ کیونکہ مکحول نے اپنی روانی گفتار میں کبھی محمود کا نام لیا، کبھی ابو نعیم، کبھی عبداللہ بن عمرو کا اور کبھی ربیعۃ الانصاری کا۔ اس طرح یہ روایت مضطرب بھی ہوئی۔ جو انتہائی ضعیف روایت ہوتی ہے۔

تعجب تو غیر مقلدین پر ہے کہ وہ اس روایت کے بل بوتے پر تمام امت کی نماز دل کو باطل قرار دیتے ہیں اور پھر خود کو اہل حدیث بھی تصور کرتے ہیں اگر اسی کا نام علم حدیث ہے اور اس قسم کے ہذیان کو قبول کرنے والے اہل حدیث کہلاتے ہیں تو اللہ تعالے اس امت مسلمہ کو ان کے سائے سے بھی محفوظ رکھے۔

ضعف کا یہ سلسلہ یہیں پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس روایت کی تو ایک ایک اینٹ ٹیڑھی ہے۔ اسے مکحول سے روایت کرنے والا محمد بن اسحاق ہے اور وہ بھی تمام محدثین کے نزدیک مدلس ہے اور وہ بھی مکحول سے عن کے ذریعہ روایت کر رہا ہے۔ اور مدلس کی روایت عن قابل قبول نہیں۔

بلکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ محمد بن اسحاق نے مکحول کو زندگی میں بھی نہیں دیکھا کیونکہ مکحول دمشق کے باشندہ ہیں جبکہ محمد بن اسحاق مدینہ کا باشندہ ہے، ابتدائی زندگی مدینہ میں گذاری اور پھر بغداد میں سکونت پذیر ہوا۔ اور ان دونوں کی عمروں میں بہت بڑا تفاوت ہے۔ کیونکہ مکحول کا انتقال سنالھ میں اور محمد بن اسحاق کی وفات سنھلھ میں ہے محمد بن اسحاق نے مکحول دمشقی سے کب ملاقات کی اور کب اسے مکحول سے سماع حدیث حاصل ہوا کیا کوئی غیر مقلد اسے ثابت کرسکتا ہے؟ اس طرح اس روایت میں یہ دوسرا انقطاع ہوا۔ اور روایت اگر ایک جگہ سے بھی منقطع ہو تو ضعیف ہوتی ہے۔ اور جب دو جگہ سے منقطع ہو تو اسے معضل کہتے ہیں جو بدترین قسم کی ضعیف شمار ہوتی ہے۔

اس روایت کے یہ عیوب یہیں پر ختم نہیں ہوتے بلکہ مزید عیب خود محمد بن اسحٰق

کی ذات ہے۔ اسے سراپا عیوب کہا جائے تو زیادہ موزوں ہوگا۔

محمد بن اسحاق کی تصویر

اس کی تصویر کا پہلا رخ تو وہ ہے جو بخاری نے پیش کیا ہے۔ بخاری اپنی "جزء القراءت" میں فرماتے ہیں۔

قال شعبۃ محمد بن اسحٰق امیر المحدثین لحفظہ وروی عنہ الثوری وابن ادریس وحماد بن زید و یزید بن زریع وابن علیہ وعبد الوارث وابن المبارک وکذلک احتملہ احمد ویحیٰ بن معین و عامۃ اھل العلم۔

شعبہ کہتے ہیں محمد بن اسحاق اپنے حافظہ کے باعث محدثین کا امیر ہے۔ اس سے ثوری، ابن ادریس، حماد بن زید، یزید بن زریع، ابن علیہ، عبدالوارث، اور ابن المبارک نے احادیث روایت کی ہیں۔ اسی طرح احمد، یحیٰی بن معین اور عام اہل علم نے۔

وقال لی علی بن عبد اللہ نظرت فی کتاب ابن اسحٰق فما وجدت علیہ الا فی حدیثین! ویمکن ان یکونا صحیحین۔ (جزء القراءت ص۳)

اور مجھ سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا کہ میں نے ابن اسحٰق کی کتاب دیکھی تو بجز دو حدیثوں کے مجھے کوئی روایت غلط محسوس نہیں ہوئی۔ اور ممکن ہے کہ وہ بھی صحیح ہوں۔

جہاں تک امام شعبہ کا تعلق ہے تو وہ صرف اس کی قوت حافظہ بیان کر رہے ہیں وہ یہ قطعاً بیان نہیں کر رہے ہیں کہ اسے دیگر محدثین پر فوقیت حاصل ہے۔ اور نہ اس کی ثقاہت اور اس کے ضعف کا تذکرہ کر رہے ہیں۔

جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ اس سے بہت سے ائمہ احادیث نے روایات لی ہیں۔ تو کاش بخاری یہ بھی واضح فرما دیتے کہ وہ کس قسم کی روایات لی گئی ہیں۔ تاریخی روایات یا احادیث۔ جب کہ ہم آگے یہ ثابت کریں گے کہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین احادیث میں اسے غیر ثقہ قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ جن حضرات نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے صرف تاریخی روایات میں اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ ورنہ عام محدثین

اسے تاریخ میں بھی ثقہ نہیں سمجھتے۔ علی بن المدینی نے بھی یہ تبصرہ اس کی تاریخی کتاب ہی پر کیا ہے۔

ممکن ہے کہ بعض محدثین نے اس سے احادیث بھی روایت کی ہوں۔ لیکن اس سے اس کا ثقہ اور حجت ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے کہ سفیان ثوری جابر جعفی کذاب سے بھی روایات لیتے ہیں۔ اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو فرمایا میں اس کی صحیح اور غلط روایت کو پہچانتا ہوں اس سے ظاہر ہوا کہ کسی امام کا کسی شخص سے حدیث روایت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان کے نزدیک ثقہ بھی ہو۔ یہ تو تصویر کا وہ رخ ہے جو بخاری نے پیش کیا ہے۔ لیکن بخاری نے اس کے باوجود اپنی صحیح بخاری میں محمد بن اسحاق سے کوئی حدیث نہیں لی۔ گویا صحیح بخاری کے لئے کوئی اور اصول ہے یعنی صحت کا اہتمام۔ اور اس پر محمد بن اسحاق خود بخاری کی نظر میں پورا نہیں اترتا۔ اور خود بخاری کے قول کی ہمارے نزدیک کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے کہ بخاری محمد بن اسحاق کی وفات کے چالیس سال بعد وجود میں آئے۔ ظاہر ہے کہ اس کے عیوب ان کی نگاہوں میں کیسے آسکتے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رُخ

جہاں تک امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کا تعلق ہے یہ دونوں بخاری کے استاد ہیں۔ اور فن جرح وتعدیل اور رجال کے امام ہیں۔ بخاری تو ان کے خوشہ چیں ہیں۔ لیکن بخاری نے ان حضرات کے قول کو مبہم طور پر پیش کیا ہے۔ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل سے ابن اسحاق کے سلسلہ میں مختلف اوقات میں متعدد لوگوں نے مختلف نوعیت کے سوالات کئے۔ اور انھوں نے سوال کی نوعیت کے مطابق اس کا جواب دیا۔

عباس دوری جو یحییٰ کے سب سے بڑے شاگرد ہیں انھوں نے یحییٰ سے نقل کیا ہے کہ یزید بن ابی حبیب کی روایات نقل کرنے میں لیث بن سعد محمد بن اسحٰق سے زیادہ ثقہ الحدیث ہیں۔ (میزان جلد ۳ صفحہ ۲۳)

امام ابوزرعہ رازی فرماتے ہیں میں نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کیا ابن اسحاق حجت ہے؟ انھوں نے فرمایا وہ سچا ہے لیکن حجت تو اوزاعی عبیداللہ بن عمر اور سعید بن عبدالعزیز ہیں۔ ص ۴۷۲

حجت اسے کہا جاتا ہے جس کی حدیث کو بطور دلیل پیش کیا جا سکے۔ لیکن اگر بطور دلیل اس کی روایت قبول نہ کی جاتی ہو، ہاں شہادت کے طور پر اس کی روایت پیش کی جاتی ہو تو اسے صدوق کہتے ہیں۔ یہ صداقت اور ثقاہت کا سب سے ادنیٰ معیار ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں محمد بن اسحاق کی روایت بطور شہادت پیش کی ہے۔ لیکن ابن اسحاق کی روایت استدلال میں پیش کرنا وہ صرف بخاری اور ابن المدینی کے نزدیک جائز ہوگا۔

یعقوب بن شیبہ کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کہ ابن اسحاق کیسا راوی ہے؟ انھوں نے فرمایا وہ کچھ نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو اس کے سچے ہونے میں شک ہے؟ انھوں نے فرمایا نہیں ہے تو سچا۔

یحییٰ کے اس جواب سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ہر سچے کی بات قبول نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ جب تک کسی انسان کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہو جائے تو اسے سچا ہی قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ اصولی طور پر ہر مسلمان کو سچا ہی تسلیم کیا جائے گا۔ اور بلا ثبوت اسے جھوٹا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لیکن ہر مسلمان کو سچا تسلیم کرتے ہوئے بھی اس کی ہر بات حجت نہیں مانی جا سکتی۔

ابن ابی خیثمہ کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین نے ابن اسحٰق کے بارے میں فرمایا۔

لیس بذالک۔ ضعف لیس بالقوی (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۳۰۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴)	وہ کچھ نہیں ہے۔ ضعیف ہے۔ قوی نہیں ہے۔

میمونی کا بیان ہے کہ یحییٰ بن معین نے ابن اسحاق کو ضعیف فرمادیا ہے۔ ان تمام اقوال سے یحییٰ بن معین کا مافی الضمیر پورے طور پر عیاں ہوگیا ہے۔ کہ اگرچہ وہ ذاتی طور پر ابن اسحاق کو سچا سمجھتے ہیں لیکن حدیث میں اسے کوئی مقام دینے کے لئے تیار نہیں۔

اب ذرا امام احمد بن حنبل کے اقوال پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے۔

عبداللہ فرماتے ہیں کہ میرے والد امام احمد سنن و احکام میں اس کی حدیث کو حجت نہ سمجھتے تھے۔
(تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۳۔ بغدادی ج ۱ ص ۲۳۰)

حنبل بن اسحاق کا بیان ہے کہ امام احمد بن حنبل نے فرمایا ابن اسحاق لیس بحجۃ۔ ابن اسحاق حجت نہیں ہے۔ (ج ۹ ص ۴۴۔ ج ۱ ص ۲۳۰)

ایوب بن اسحاق کا بیان ہے کہ میں نے امام احمد سے دریافت کیا کہ جب ابن اسحاق کسی حدیث کے بیان کرنے میں منفرد ہو تو کیا اس کی حدیث حجت ہوگی؟ انھوں نے فرمایا۔

لا واللہ (بغدادی ج۱ ص۲۳۰)	نہیں اللہ کی قسم۔

امام بیہقی لکھتے ہیں۔

وکان مالك بن انس لایرضاہ ویحیی بن سعید القطان لایروی عنہ ویحیی بن معین یقول لیس ھو بحجۃ واحمد بن حنبل یقول یکتب عنہ ھذا الحدیث اعنی المغازی فاذا جاء الحلال والحرام اردنا قوما ھکذا یرید اقوی منہ فاذا کان لایحتج بہ فی الحلال والحرام فاولی ان لایحتج بہ فی صفات اللہ سبحانہ وتعالی وانما نقموا علیہ فی روایتہ عن اھل الکتاب ثم عن ضعفاء الناس وتدلیس اسامیھم فاذا روی عن ثقۃ وبین سماعہ منہ فجماعۃ من الائمۃ لم یروبہ باسا۔ (کتاب الاسماء والصفات ص۲۹۶)	اور مالک بن انس اسے پسند نہ کرتے تھے۔ اور یحیی بن سعید القطان اس سے روایت نہیں لیتے تھے اور یحیی بن معین کہتے ہیں وہ حجت نہیں ہے۔ اور احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ اس سے یہ احادیث یعنی مغازی (جنگی) کی تو لکھ لی جائیں لیکن جب معاملہ حلال وحرام کا ہوتا ہے (نماز کی بقا اور بطلان کا ہوتا ہے) تو ہم اس سے زیادہ قوی راوی چاہتے ہیں۔ ایسی صورت میں بہتر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی کی صفات کے سلسلہ میں اس کی کوئی حدیث حجت نہ سمجھی جائے۔ محدثین نے اس کی روایت میں جو متعدد اعتراضات کئے ہیں۔ اور وہ اہل کتاب سے روایات لیتا ہے۔ دوسرے ضعیف راویوں سے روایت کرتا اور پھر ان کے نام کو درمیان سے حذف کر دیتا ہے لیکن جب وہ ثقہ راوی سے روایت کرے اور اس بات کی وضاحت کرے کہ اس نے وہ حدیث اس راوی سے سنی ہے۔ اس وقت بعض

محدثین (نہ کہ سب) اس کی روایت میں کوئی عیب نہیں سمجھتے (عیب نہ سمجھنا اور شئے ہے اور حجت سمجھنا اور بات ہے)

اب علی بن المدینی کا قول بھی سن لیجیے۔ وہ فرماتے ہیں۔

لم یضعفہ عندی الاروایتہ عن اھل الکتاب۔ (تہذیب ج ۹ ص۴۴)	میرے نزدیک اس کا ضعف یہ ہے کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتا ہے۔

یہ تو ان حضرات کے اقوال ہیں جو محمد بن اسحاق کے بارے میں انتہائی نرم رائے رکھتے ہیں۔ اور جن کی جانب بخاری نے ابن اسحاق کا ثقہ ہونا منسوب کیا تھا۔ ان حضرات کے نزدیک غزوات کے واقعات تو محمد بن اسحاق سے لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن مسائل کی کوئی روایت نہیں لی جا سکتی۔ اور خاص طور پر وہ روایت جس کے روایت کرنے میں وہ منفرد ہو اس وقت اس کی روایت ہرگز قبول نہ ہوگی۔ اتفاق سے اس روایت میں بھی وہ منفرد ہے۔

ثانیاً چونکہ وہ مدلس ہے۔ اس لئے جب تک وہ اپنے سے اوپر کے راوی سے سماع کی تصریح نہ کرے، اس وقت تک اس کی روایت قابل قبول نہ ہوگی۔ اور اس روایت میں اس نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔

اب ان حضرات کے اقوال بھی سن لیجیے کہ جو ابن اسحاق کے بارے میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے۔ امام مالک امام المدینہ فرماتے ہیں۔

ھو دجال من الدجاجلۃ۔ (میزان ج ۳ ص۴۶۹)	وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے۔

نسائی کہتے ہیں لیس بالقوی۔ وہ قوی نہیں ہے۔ دارقطنی کا قول ہے لایحتج بہ اس کی روایت حجت نہیں ہو سکتی۔ ابوداؤد کہتے ہیں وہ قدری ہے معتزلی ہے۔ سلیمان تیمی کہتے ہیں کذاب۔ وہ کذاب ہے۔ ہشام بن عروہ فرماتے ہیں وہ کذاب ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کذاب ہے۔ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن اسحاق کو مسجد خیف میں دیکھا لیکن میں ڈر کے مارے آگے بڑھ گیا کہ اگر لوگ مجھے اس کے ساتھ دیکھ لیں گے تو مجھے بھی تقدیر کا منکر تصور کریں گے۔ حماد بن سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے ابن اسحاق کی کچھ روایات مجبوراً لی ہیں۔ (میزان ج ۳ ص۴۶۹)

فلاس کا بیان ہے کہ امام یحییٰ نے فرمایا کہ کسی نے ابن اسحاق سے سوال کیا کہ

شرحبیل بن سعد کی حدیث کیسی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس سے تو صرف ایک شخص روایت کرتا ہے۔ یحییٰ یہ قول نقل کرکے فرماتے ہیں تعجب ہے کہ ابن اسحاق شرحبیل کی روایات سے تو گریز کرتا ہے۔ اور اہل کتاب سے روایات نقل کرتا ہے۔

ابن ابی فدیک کا بیان ہے کہ میں نے ابن اسحاق کو دیکھا کہ وہ اہل کتاب سے روایات لکھ رہا تھا۔ امام احمد فرماتے ہیں بے پناہ تدلیس کرتا ہے۔ ص۴۷۔

ابن عدی کا بیان ہے کہ وہ مرغے لڑایا کرتا تھا۔ یحییٰ بن سعید القطان جو اس فن جرح و تعدیل کے سب سے بڑے امام ہیں فرماتے ہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق کذاب ہے۔ ابو داؤد طیالسی نے عرض کیا۔ آپ کو اس کا کیسے علم ہوا۔ انھوں نے فرمایا مجھے امام مالک نے بتایا۔ میں نے سوال کیا کہ امام مالک کو اس کا کیسے علم ہوا۔ انھوں نے فرمایا کہ امام مالک کو ہشام بن عروہ نے یہ بات بتائی تھی۔ میں نے سوال کیا کہ ہشام کو اس کا کیسے علم ہوا۔ تو فرمانے لگے کہ ہشام نے کہا تھا کہ وہ میری بیوی فاطمہ بنت المنذر سے احادیث روایت کرتا ہے۔ حالانکہ فاطمہ جب سے میرے نکاح میں آئیں اس وقت سے مرتے دم تک ان کا کسی نے پلو بھی نہیں دیکھا۔

ابو عمرو الشیبانی کا بیان ہے کہ میں نے ابن اسحاق کو دیکھا کہ وہ احادیث (یعنی جنگی واقعات) شعراء کے پاس لے جاتا۔ اور ان سے اس پر اشعار لکھواتا۔ پھر ان جنگی واقعات میں ان اشعار کو شامل کرتا اور صحابہ کی جانب منسوب کر دیتا۔ (سیرت ابن ہشام میں صحابہ کے جو اشعار مروی ہیں ان میں سے اکثر اسی طرح تیار کرائے گئے ہیں)۔

خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ ابن اسحاق جنگی واقعات کی روایات شعراء کو دیتا اور ان سے اشعار لکھواتا۔ اور پھر انھیں ان روایات میں شامل کر دیتا۔ ابو داؤد طیالسی کا بیان ہے کہ ابن اسحاق نے ایک دن کہا مجھ سے فلاں حدیث ایک ثقہ راوی نے بیان کی ہے۔ کسی نے اس سے سوال کیا۔ وہ ثقہ راوی کون ہے۔ اس نے جواب دیا یعقوب یہودی۔ (میزان ج ۳ ص۴۷)

دراوردی کا بیان ہے کہ ہم ابن اسحاق کے پاس تعلیم کی غرض سے بیٹھے تھے۔

اچانک وہ اونگھنے لگا۔ جب وہ نیند سے ہوش میں آیا تو بولا میں نے ابھی خواب میں دیکھا کہ مسجد میں ایک شخص داخل ہوا جس کے ہاتھ میں رسی ہے۔ اس نے وہ رسی ایک گدھے کے گلے میں ڈالی، اور اسے کھینچتے ہوئے مسجد سے باہر لے گیا۔ یہ خواب بیان کیئے ہوئے اسے کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں ایک رسی تھی۔ اس نے وہ رسی محمد بن اسحاق کے گلے میں باندھی، اور اسے کھینچتا ہوا امیر شہر کے پاس لے گیا۔ وہاں اسے انکار تقدیر کے باعث کوڑے مارے گئے۔ حمید بن حبیب کا بیان ہے کہ میں نے ابن اسحاق کو کوڑے لگتے دیکھا ہے۔ اسے ابراہیم بن ہشام الامیر نے کوڑے لگائے تھے۔ (میزان ج ۳ صـ۲۲)

مکی بن ابراہیم جو امام بخاری کے استاد ہیں فرماتے ہیں کہ میں ابن اسحاق کے پاس احادیث سننے کے لئے گیا۔ وہ سیاہ خضاب لگائے ہوئے تھا۔ اس نے صفاتِ الٰہی کے سلسلہ میں ایسی احادیث بیان کیں جنھیں میرا دل قبول نہ کر سکا۔ اسی لئے میں پھر اس کے پاس کبھی نہیں گیا۔ صـ۲۲

ان احادیث میں سے ایک نمونہ ہمارے قارئین بھی ملاحظہ فرمالیں۔

ابن اسحاق روایت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک شخص کو عبداللہ بن عباس کے پاس بھیجا کہ ان سے سوال کرے کہ کیا حضورؐ نے پروردگار کو دیکھا تھا ابن عباسؓ نے فرمایا ہاں آپ نے اللہ کو سونے کی ایک کرسی پر بیٹھے دیکھا۔ اس کرسی کو چار فرشتے اٹھائے تھے۔ ایک فرشتہ انسان کی ہم شکل تھا۔ ایک کی شکل شیر کی تھی، ایک گدھ کی، اور ایک کی بیل کی۔ اللہ کے سر پر سبز سائبان تنا تھا۔ پاؤں کے نیچے سونے کا فرش تھا۔ (میزان ج ۳ صـ۲۳)

کاش محمد بن اسحاق کے مداحین ہمیں یہ بتا دیتے کہ انسان، شیر، گدھ اور بیل میں کیا مماثلت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ وہ اللہ کے عرش پر مقیم ہونے کے ضرور قائل ہیں۔

وہیب بن خالد کا بیان ہے کہ ابن اسحاق کذاب ہے۔ (تہذیب التہذیب۔ ج ۹ صـ۴۵)

جریر بن عبدالحمید کا بیان ہے کہ مجھے اس کا علم نہ تھا کہ میں ایسے زمانہ تک زندہ

رہوں گا کہ جب لوگ محمد بن اسحاق سے احادیث سننے لگیں گے۔ تہذیب التہذیب ج۹ ص۴۵ ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ کیسے ابن اسحاق کے بارے میں بھی کوئی اچھی رائے قائم کی جا سکتی ہے؟ (توجیہہ النظر ص۲۸) بیہقی فرماتے ہیں۔ محدثین ابن اسحاق کی منفرد روایات سے گریز کرتے ہیں (الجوہر النقی ج۱ ص۱۵۵)۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ ضعیف ہے (کتاب العلل ج۱ ص۴۳۳) ابن نمیر کا بیان ہے کہ وہ مجہول راویوں سے روایات نقل کرتا ہے۔ (بغدادی ج۱ ص۲۲۷)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق احکام کی روایات میں حجت نہیں خصوصاً جبکہ منفرد ہو۔ اور جب کوئی ثقہ راوی اس کے خلاف روایت کر رہا ہو (الدرایہ ص۱۹۳) امام نووی فرماتے ہیں جو راوی صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں۔ ان میں ایک محمد بن اسحاق بھی ہے (مقدمہ مسلم ص۱۶) شوکانی لکھتے ہیں کہ ابن اسحاق حجت نہیں۔ اور خاص طور پر جب وہ عن سے روایت کرے۔ (نیل الاوطار ج۱ ص۲۳۴)

نواب صدیق حسن خاں ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

درسندش نیز ہماں محمد بن اسحاق است و محمد بن اسحاق حجت نیست (دلیل الطالب ص۲۴۹)	اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے۔ اور محمد بن اسحاق حجت نہیں)

ابن جوزی فرماتے ہیں۔

اما محمد بن اسحق فمجروح شهد بكذبه مالك وسليمان التيمي ووهيب بن خالد وهشام بن عروة ويحيى بن سعيد وقال ابن المديني يحدث عن المجهولين باحاديث باطلة (نصب الراية ج۲ ص۲۵)	لیکن محمد بن اسحاق مجروح ہے اس کے کذاب ہونے کی شہادت مالک، سلیمان تیمی، وہیب بن خالد، ہشام بن عروہ اور یحییٰ بن سعید نے دی ہے، ابن المدینی کہتے ہیں وہ مجہول راویوں سے باطل احادیث روایت کرتا ہے۔

حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں۔

رمى بالقدر والتشيع	وہ تقدیر کا منکر اور شیعہ ہے۔

ان تمام اقوال کو جمع کرنے سے محمد بن اسحاق کے جو امور سامنے آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ غزوات میں اس کی روایت قابل قبول ہے۔ لیکن حدیث میں ہرگز نہیں۔

۲۔ غزوات کی روایات وہ اہل کتاب سے نقل کرتا ہے۔

۳۔ فرضی اشعار لکھوا کر صحابہ کی جانب منسوب کرتا ہے۔

۴۔ ثقہ راویوں کی روایات پسند نہیں کرتا۔ اور ان پر اہل کتاب کو ترجیح دیتا ہے۔

۵۔ ضعیف اور مجہول راویوں سے روایت کرتا ہے۔

۶۔ مدلس ہے۔ درمیان سے ضعیف راوی گرا کر اوپر کے راوی کی جانب روایت منسوب کر دیتا ہے۔

۷۔ منفرد روایات بیان کرتا ہے جو دوسرے روایت نہیں کرتے۔

۸۔ اس کی منفرد روایت قابل قبول نہیں۔

۹۔ اس کی عن والی روایت قابل قبول نہیں۔

۱۰۔ صفات الٰہی اور مسائل و احکام میں اس کی روایت قابل قبول نہیں۔

۱۱۔ اس کی روایت بطور شہادت پیش کی جا سکتی ہے لیکن بطور دلیل نہیں۔

۱۲۔ وہ کذاب ہے۔ اور ایسے لوگوں کی روایات بیان کرتا ہے جن کو اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔

۱۳۔ تقدیر کا منکر ہے۔ اور اس جرم میں اس کے کوڑے لگائے گئے۔

۱۴۔ معتزلی ہے۔ صفات الٰہی کا منکر ہے۔

۱۵۔ صفات الٰہی کے مذاق میں روایات وضع کرتا اور انھیں صحابہ کی جانب منسوب کرتا ہے۔

۱۶۔ شیعہ ہے۔

۱۷۔ کلی طور پر اس کی روایات کو کوئی قبول نہیں کرتا۔

امام بخاری نے جو اسے ثقہ قرار دیا ہے وہ ان کی دنیا سے نرالی رائے ہے۔

اور وہ بھی غالباً صرف اسی حدیث تک ورنہ اگر ان کو اپنی اس بات پر یقین ہوتا تو صحیح بخاری میں اس سے روایت ضرور لیتے۔ اور اگر واقعتاً امام بخاری اور ان کی تقلید میں غیر مقلدین محمد بن اسحاق کو حقیقتاً ہر معاملہ میں ثقہ تصور کرتے ہیں تو ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے۔ ہم حنفی مسلک کی تائید میں بیسیوں محمد بن اسحاق کی روایات پیش کر دیں گے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ غیر مقلدین اس کا اعلان کریں کہ ہمیں محمد بن اسحاق کی ہر روایت قبول ہے۔ پھر دیکھئے کیا لطف آتا ہے۔

لیکن ساتھ میں ہم یہ بھی عرض کر دیں کہ محمد بن اسحاق کے ثقہ ماننے سے تب بھی عبادہؓ کی یہ روایت صحیح نہ ہوگی۔ اور پھر بھی یہ روایت نام نہاد اہلِ حدیث کے چہروں پر جہالت بالحدیث کا داغ بنی رہے گی۔ اگر اسی ہذیان کا نام علمِ حدیث ہے۔ اور اسی قسم کے لوگوں کو اہل حدیث تصور کیا جاتا ہے جو اس قسم کے ہذیان پر یقین رکھتے ہوں اور پھر اس ہذیان کے بل بوتے پر تمام امت کی نمازوں کو باطل قرار دیتے ہوں، تو اللہ تعالیٰ ایسے ہذیان سے تمام امت کو محفوظ رکھے۔ ایسے اہلِ حدیث سے ہم جیسے غیر اہلِ حدیث ہی لاکھ درجہ بہتر ہیں۔ اور یہ سارا فساد اس لئے پیدا ہو رہا ہے کہ اس طبقہ کا ہر فرد بشر پیدا ہوتے ہی اپنے آپ کو عالم بالحدیث تصور کرنے لگتا ہے۔ اس سے بڑی توہین علم حدیث کی کیا ہوگی۔ حالانکہ ان میں سے جو صاحب علم تصور کئے جاتے ہیں ان میں سے بیشتر کی حالت دیکھ کر ابنِ ماجہ کی وہ روایت یاد آجاتی ہے کہ نا اہل کے سامنے علم کی بات کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سور کے گلے میں موتیوں کا ہار پہنانا۔ اسی لئے ہم حتی الامکان ان کے جوابات سے گریز کرتے ہیں۔ اور اب بھی ہم بہت کچھ گریز سے کام لے رہے ہیں۔ کیونکہ اگر ان کے ایک ایک ہذیان پر بحث کی جائے تو جہاں کئی جلدیں درکار ہوں گی وہاں یہ بھی ڈر ہے کہ اس ہذیان کو پڑھتے پڑھتے لوگ خود اس ہذیان میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

حبیب الرحمٰن الصدیقی الکاندھلوی۔

فہرست کتب

الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات

مکان نمبر ۳ / ۷، ون۔اے، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی ۷۴۶۰۰
فون: ۶۶۱۴۴۹

علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی کی تالیفات

۱	مذہبی داستانیں اور انکی حقیقت (چہار جلد) فی جلد	۸۵/
۲	شب برات۔ایک تحقیقی جائزہ	۱۰۰/
۳	شب برات کیا ہے؟	۱۵/
۴	صحابہ کرامؓ قرآن کی نظر میں	۷۵/
۵	کیا ہمارا قرآن ایک ہے؟	۷۵/
۶	عقیدہ ایصالِ ثواب قرآن کی نظر میں	۴۵/
۷	فاتحہ خلف الامام	۲۰/
۸	تحقیق عمر عائشہؓ	۱۵/
۹	عقیدہ ظہورِ مہدی	۱۵/
۱۰	کیا متعہ حلال ہے؟	۶/
۱۱	سماع حسن بصری	۶/
۱۲	اسلام میں حفظِ مراتب پر ایک تحقیقی نظر	۶/
۱۳	اہمیت تبلیغ	۱۵/
۱۴	Age of Ayesha	50/
۱۵	Religious Tales Fact and Fiction	Rs. 250/

علامہ تمنا عمادی مجیبی پھلواری کی تالیفات

۱	اعجاز القرآن اور محاورِ روایت و مجاز تفسیر (اوّل)	۱۷۵/
۲	اختلافِ قرأت اور قرأء حضرات (دوم)	۱۰۰/
۳	معلیٰ و معیٰ کی حقیقت	۱۲/
۴	مسند احمد کی حقیقت	۱۲/
۵	امام زہری و طبری تصویر کا دوسرا رخ	۸۵/
۶	انتظارِ مہدی و مسیح فن رجال کی روشنی میں	۸۵/
۷	جمع القرآن	۸۰/
۸	مذاکرہ ایصالِ ثواب کی دوسری کڑی	۴۰/
۹	کیا اختلافِ امت رحمت ہے؟	۱۵/
۱۰	القصیدہ الزہرہ حصہ نثر	۲۵/
۱۱	القصیدہ الزہرہ حصہ نظم	۵۰/
۱۲	وصیت وراثت اور کلالہ	۵۰/
۱۳	سبیل المومنین	۱۵/
۱۴	اخلاقی کمزوریاں	۵/
۱۵	نماز پنجگانہ کا قرآنی ثبوت	۳۵/

ٹرسٹ کی دیگر مطبوعات

۱	نفسانی خواہش کا قانون شملا حائری (ترجمہ نگار عرفانی)		۱۸۰/
۲	شرح حقیقت	قاضی محمد علی (انڈیا)	۸۵/
۳	وراثت	مقبول احمد مدنی	۱۵/
۴	تصوف پر ہندوستانی اثر	ڈاکٹر محمد عمر	۱۵/
۵	اسلام اور تصوف	جاوید احمد غامدی	۱۲/
۶	حقیقی اہل بیت	مفتی محمد طاہر مکی	۱۲/
۷	تقلید	مولوی محمد (انڈیا)	۹/
۸	رسم جہیز (قرآن کی روشنی میں)	ڈاکٹر محمد نیاز	۵/
۹	معجزاتِ نبویؐ	از سلمان ندوی	۱۵/
۱۰	عذابِ قبر	محمد فاضل (مدیر الحق)	۱۲/
۱۱	عذابِ قبر	السید انور مختار	۶/
۱۲	عذابِ قبر	قمر احمد عثمانی	۳۵/
۱۳	عقیدہ نزول مسیح و مہدی	مولانا عبداللہ سندھی	۲۰/
۱۴	قاتلان حسین کی خانہ تلاشی	مولانا عبدالشکور فاروقی	۳۰/

اسکے علاوہ مندرجہ ذیل مصنفین کی تصنیفات دستیاب ہو سکتی ہیں۔

۱	خلافت معاویہ و یزید	محمود احمد عباسی	۱۰۰/
۲	تحقیق مزید	"	۱۵۰/
۳	بادشاہ بیگم اودھ	"	۴۰/
۴	رسومات محرم و تعزیہ داری	"	۱۲/
۵	امّ ہانیؓ	"	۳۰/
۶	حیات سیدنا یزیدؒ	محمد عظیم الدین صدیقی	۵۵/
۷	واقعہ کربلا اور سیدنا یزیدؒ	"	۵۰/
۸	درسِ توحید حصہ اول	"	۵/
۹	درسِ توحید حصہ دوم	"	۱۲/
۱۰	حقیقت وسیلہ	"	۲۵/
۱۱	دینی نفسیات	مفتی محمد اسحٰق ندوی	۱۵۰/
۱۲	اظہارِ حقیقت (فی جلد ۱۰۰ روپے) مکمل سیٹ		۳۰۰/